نگار

قیمت { فی پرچہ ۷۵ نئے پیسے
سالانہ دس روپے

تاریخ نمبر جیسی اہم دستاویزی پیشکش کے بعد

ادارہ ماہنامہ نگار رامپور۔ یوپی

دو اور عظیم خاص نمبر پیش کر رہا ہے جنھیں نسلوں نہیں بھلایا جا سکے گا

شاد عارفی نمبر

جو اردو کے اس منفرد تیکھے طنز گو شاعر کے انتخاب کلام خطوط اور شخصیت و فن پر مضامین کا بھرپور مجموعہ ہوگا۔ اگر آپ بھی شاد عارفی کے خطوط مہیا کر سکیں یا ان کی زندگی اور فن سے متعلق کچھ لکھنا چاہیں تو جلد از جلد نگار رامپور کو ارسال کیجئے۔

چند لکھنے والے :- • پروفیسر آل احمد سرور • پروفیسر فراق گورکھپوری • پروفیسر احتشام حسین • پروفیسر مجنوں گورکھپوری • احمد ندیم قاسمی • محمد طفیل • مظفر علی سید • مولانا ماہر القادری • ظ انصاری • خلیل الرحمن اعظمی • ڈاکٹر خلیق انجم • مظفر حنفی • مسعود اشعر • گوپال متل • مخمور سعیدی • کوثر چاندپوری۔ اور بہت سے دوسرے۔

نگار کے مندرجات کا اشاریہ نمبر

مرتبہ :- سعدیہ حفیظ و خالدہ عباسی

نگار کا اجرا ۱۹۲۲ء میں ہوا تھا جب سے اب تک تقریباً نصف صدی کے عرصہ میں اس کے صفحات پر الٰہیات سے جنسیات تک سیکڑوں موضوع زیر بحث آئے ہیں، ملک کے سارے مشاہیر ادب نگار میں لکھتے رہے ہیں۔ اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ ایک تفصیلی اشاریہ ان تمام تحریروں کا مرتب کیا جائے تاکہ اصحاب ذوق کو اپنی مفید مطلب تحریر تک رسائی میں دشواری نہ رہے ہمیں یہ اعلان کرتے ہوئے بیحد مسرت ہے کہ نگار رامپور جلد ہی ایک مخصوص شمارہ اس مقصد کے لئے وقف کر رہا ہے۔ یہ اشاریہ صرف فہرست نہیں ہوگا بلکہ اسمیں مضامین کے مطالب کا خلاصہ بھی شامل ہوگا گویا اس نمبر کی صورت میں نگار کی نصف صدی کی تحریریں مختصر آ سمٹ آئیں گی اس طرح یہ کام مفید سے مفید تر ہو گیا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں اور لائبریریوں کے لیے یہ نمبر بیحد ضروری ہوگا۔

مینیجر ماہنامہ نگار رامپور یوپی

رجسٹرڈ نمبر ایل ۴۶۶
جموں کشمیر کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ

نگار

اپریل ۱۹۶۴ء

مدیر اعلیٰ
اکبر علی خاںؒ

معاونین
مظفّر حنفی
سلطان اشرف

زر سالانہ
دس روپے

فی پرچہ
۷۵ پیسے

نگار بک ایجنسی رامپور

داہنی طرف کا سرخ صلیبی نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا چندہ اس شمارے کے ساتھ ختم ہو گیا۔

جلد (۴۳) | فہرست مضامین اپریل ۱۹۶۴ء | شمارہ (۴)

دیوان ناسخ کا ایک نادر مخطوطہ۔ امتیاز علیخاں عرشی ۵
سودا کے شہر آشوب - ڈاکٹر خلیق انجم ۱۳
پلیگ - البیر کامو
ترجمہ و تلخیص محمود رضوی ۲۱
منظومات۔ امتیاز علی عرشی، شہریار۔ جاوید کمال رامپوری ۳۷
مطبوعات موصولہ بشیر بدر ۳۹
اطلاع نامہ نگار (ضمیمہ)
نگار رامپور کے بارے میں ہندو پاک کے ادیبوں نے کہا ۴
نگار رامپور کے بارے میں ہندو پاک کے مشہور رسالوں نے لکھا۔ ۶

غالب کا الحاقی کلام

اس موضوع پر نادم سیتاپوری ایک کتاب ترتیب دے رہے ہیں
جولائی ۶۴ء کے شمارے میں یہ مکمل کتاب ملاحظہ فرمایئے
منیجر نگار رامپور یوپی

دیوانِ ناسخ کا ایک نادر مخطوطہ

انتیاز علی خاں عرشی

ابھی حال میں رضا لائبریری کے لیے شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی متوفی ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ خریدا گیا ہے۔
کلیات ناسخ (ص ۳۹۸ طبع مولائی لکھنو ۱۲۶۰ھ حسب فرمائش شاہزادہ فرخندہ بخت بہادر) کے خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ کے تین دیوان ہیں۔ ان کا پہلا دیوان ۱۲۳۲ھ (۱۷-۱۸۱۶ء) میں مرتب ہوا تھا' اور اس کا تاریخی نام "دیوان ناسخ" ہے۔ دوسرا دیوان الہ آباد کی آمد و رفت کی پریشانی کے زمانے میں ترتیب گیا تھا' اس کا تاریخی نام "دفتر پریشاں" ہے۔ جس سے ۱۲۴۷ھ (۳۲-۱۸۳۱ء) نکلتا ہے۔ تیسرا دیوان ۱۲۵۴ھ (۳۹-۱۸۳۸ء) میں انجام کو پہنچا۔ اور اس کا تاریخی نام ناسخ کے شاگرد میر علی اوسط رشک نے "دفتر شعر" تجویز کیا۔
زیر بحث مخطوطے کا ان تینوں دیوانوں سے مقابلہ کرنے پر واضح ہوا کہ یہ نسخہ ناسخ کے دوسرے دیوان کا ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان سے معلوم ہوگا۔ یہ مولف کا مسودہ ہے' اس لیے بے حد قابل تعلیم کیے جانے کا مستحق ہے۔
اس مخطوطے کا ناپ ۲۲×۱۷ سینٹی میٹر ہے۔ ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں۔ متن کے ورقوں کی تعداد ۱۶۷، اور شروع میں شامل فہرست اشعار کے اوراق کی تعداد ۸ ہے۔ جس کا مجموعہ ۱۷۵ ورق ہوتا ہے۔ لیکن اس فہرست سے پتا چلتا ہے کہ اصل' بین اوراق کی تعداد ۲۰۸ تھی کیونکہ ورق ۲۰۷ پر جو غزل شروع ہوئی ہے' ورق ۲۰۸ پر اس کا اختتام ہوتا ہے' اور فہرست اشعار میں اس کے بعد کے کسی بند سے کا حوالہ نہیں ملتا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کتاب میں اس سے زائد ورق نہ تھے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ورق ۲۰۹ بعد پر حرف الف کی کچھ غزلیں ہوں[1]۔
چونکہ فہرست اشعار کا پہلا ورق غائب ہے۔ اس لیے ان کا حوالہ دست رس سے باہر ہے۔
دیوان کا خط صاف اور رواں نستعلیق ہے۔ روشنائی کالی استعمال کی گئی ہے۔ لیکن تکلف شنجرف سے لکھا گیا ہے۔ فہرست اشعار میں عنوان اور اوراق کے ہندسے بھی شنجرفی ہیں۔ کاغذ دیسی بانس کا ہے۔ پوری کتاب میں کرم خوردگی اور آب رسیدگی دونوں کے نشان پائے جاتے ہیں۔ جلد شکستہ اور ورق بے شیرازہ ہو گئے ہیں۔ ورق ۱۳ ب اور ۱۰۱ ب پر ایک ننھی سی مہر ثبت ہے۔ جس میں بخط نستعلیق "ضامن شاہ خاں" منقوش ہے۔

ورق ۹ ب سے ۱۶۲ الف تک ردیف دار غزلیں مندرج ہیں۔ یہ ردیفیں ا، ت، د، ذ، ر، ز، ط، ظ، ع، ن، ہ، ی کی ہیں۔ ورق ۱۶۶ الف کی سطر ۱ سے آخر تک ردیفی ترتیب مفقود ہے۔ مثلاً اس صفحے پر یہ غزل مندرج ہے "باغ میں اک بار اگر وہ لالہ رُو ہو جائے گا" اور اس کے مقفل یہ غزل ہے: "قاصدا کہہ دیجیو اتنا ہی اس گمراہ سے" اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نسخے کی جتنی غزلیں ردیف دار ہیں وہ کسی اور بیاض میں سے نقل ہوئی ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ کہا گیا وہ ترتیب نظم کے مطابق لکھا جاتا رہا۔
شاہ حاتم کے دیوان زادے اور دیوان غالب اردو کے بعد ناسخ کا دیوان دوم' تیسری کتاب ہے جس کی اکثر غزلوں کو اس نسخے کی مدد سے تاریخی ترتیب پر مرتب کیا جا سکتا ہے۔
جیسا کہ ابھی مذکور ہوا دیوان کے سادہ اوراق کی تعداد ۲۰۸ یا اس سے کچھ ہی زائد تھی۔ اس لیے جب سادہ صفحے ختم ہو گئے تو نئی غزلیں حاشیوں پر لکھی جانے لگیں۔ ناسخ کے بارے میں آزاد دہلوی نے آب حیات (ص ۳۵۵ طبع لاہور' بار دوازدہم) میں لکھا ہے کہ "دو تین خوشنویس کاتب بھی نوکر رکھتے" اس لیے متن و حاشیہ دونوں کی کتابت انھیں حضرات کے قلم کی ہو گی۔

---

[1] اس نسخے میں اوراق ۲۴، ۴۰، ۴۹، ۵۴، ۹۳، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۶ کم ہیں۔

اس نسخے کی فہرست دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ناسخ نے اسے مرتب کرنا چاہا تو نقل کرنے والے کی سہولت کے لیے ردیف وار فہرست مرتب کر کے شروع میں لگا دی جس میں ہر غزل کا مصرعِ اول لکھ کر اس کے اوپر شنجرف سے اس صفحے کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ جس پر وہ غزل مندرج ہے۔ چاہیئے یہ تھا کہ اس میں ہر ردیف کی غزلوں کو تاریخی ترتیب کے مطابق نقل کرایا جاتا۔ مگر ایسا عمل میں نہیں لایا گیا۔ اور کسی اور مصلحت کی بنا پر جو ہم رنگی یا رنگا رنگی ہو سکتی ہے، ترتیب قطعاً غیر تاریخی ہو گئی۔

بہ ظاہر نسخۂ مطبوعہ کی ترتیب غزلیات کو ہمارے مخطوطے کی ترتیب کے مطابق ہونا چاہیئے۔ مگر دونوں کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ناسخ یا ان کے کسی شاگرد نے اس میں کسی قدر رد و بدل کر دیا ہے جس کی وجہ سے مطبوعہ کی ترتیب تاریخی ترتیب سے دور ہو گئی ہے۔

ہمارے مخطوطے کی رُو سے ناسخ کے دوسرے دیوان کی غزلوں کی ردیف وار تاریخی ترتیب کیسی ہوگی۔ اس کو بتانے کے لیے صرف ردیف الف کی غزلوں کو بہ طور نمونہ پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ پری جہاں میں نہ جنت میں حور ایسی دیکھو — ورق ۳۷ الف
۲: تشبیہ دے ہلال سے ابروئے یار کو — [illegible]
۳: آسماں کی کیا ہے طاقت جو چھڑائے لکھنؤ — [illegible]
۴: یاد ہیں سب گلعذار لکھنؤ — ورق ۶۸ الف
۵: ہم صفیر اپنا وطن ہے لکھنؤ — ورق ۷۲ ب
۶: میرے دم سے تھا بوستاں لکھنؤ — ورق ۷۳ الف
۷: خط شب رنگ یہ گالوں پہ نہیں، دھیان کرو — ورق ۸۱ ب
۸: دوشِ تار سے تشبیہ ہمارے دل کو — ورق ۸۴ الف
۹: بزم میں پاتا نہیں جو ساقیِ گلفام کو — ورق ۸۷ الف
۱۰: مجھ کو عریانی میں کیا ہو پیرہن کی آرزو — ورق ۹۴ ب
۱۱: بیان کیا ہو جو ہے جسم دل ربا کی تُو — ورق ۹۶ الف
۱۲: جاس پری سے شب وصل میں رکاوٹ ہو — ورق ۱۰۰ الف
۱۳: خود ہنستے ہو اغیار سے ہنسواتے ہو مجھ کو — ورق ۱۰۴ الف
۱۴: چھڑ گئے جو میرے نالوں کے شرارے رات کو — ورق ۱۰۷ الف
۱۵: قرابۂ مئے گلرنگ ہے فلک ہم کو — ورق ۱۰۷ ب
۱۶: چوٹ دل کو جو لگے آہ رسا پیدا ہو — ورق ۱۱۲ الف
۱۷: مانگتے ہو جب نہ تب میرے دلِ بے تاب کو — ورق ۱۴۳ الف
۱۸: کس قدر نفرت ہے اس کے توسنِ چالاک کو — ورق ۱۴۳ ب

مطبوعہ نسخے میں ان کی ترتیب حسب ذیل ہے،

۱-۲، ۴، ۵، ۶، ۳، ۷، ۸، ۱۰، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷۔

دوسری ردیفوں میں ان دونوں نسخوں کی ترتیب اور بھی زائد مختلف ہے۔

اس مخطوطے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ نے اپنے دیوان میں کیا رد و بدل کیا ہے۔ کون سے شعر مطبوعہ نسخے میں دانستہ یا نادانستہ شامل نہیں کیے گئے۔ اور کون کون سے شعر یا غزلیں حاشیوں میں بڑھائی گئی ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف چند باتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

[illegible] یہ غزلیں مخطوطے میں بوجہ نقصان اوراق موجود نہیں فہرست اشعار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ علی الترتیب مخطوطے کے ان اوراق میں مندرج تھیں ۵۰/۵۱

[illegible] مخطوطے میں فہرست کے اندراج غزل کا ورق [illegible] پر ہونا ظاہر کیا گیا ہے مگر یہ کتابت کا سہو ہے غزل ۱۲۳ ب سے شروع ہوتی ہے جس کا موجود نمبر ۱۰۷ ب ہے۔

الف اصلاح و ترمیم

۱: ورق ۱ الف کا ایک شعر پہلے تھا:

تو نے جو پانی پیا ہے اے بتِ شیریں دہن آبخورے میں مزا ہے کوزۂ فغفور کا

اس کے دوسرے مصرع میں اصلاح کی ہے: آبخورے میں ہے عالم۔ مطبوعہ میں یہی مرقم مصرع چھپا ہے۔

۲: اسی صفحے پر متن میں ایک شعر ہے۔

تمام عمر بسر ہو گئی یونہی میری شب فراق گئی روز انتظار آیا

اس کے پہلے مصرع پر شنجرفی روشنائی سے لفظ بدلہ لکھ کر ترمیم کی: "تمام عمر یونہی ہو گئی بسر اپنی"۔ مطبوعہ میں اصلاح کے مطابق متن چھپا ہے۔

۳: ورق ۲۶ الف پر ایک شعر متن میں ہے:

مر کے جاؤں جو خلد میں بالفرض ہو سقر کا عذاب، اے قاصد

"بالفرض" پر نسخے کا "ن" لکھ کر حاشیے میں "بشک" کر دیا ہے۔ جو مطبوعہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

۴: ورق ۲۶ ب پر متن میں ہے:

احباب سے انتظار کہنا ہے تو ہی مرا گواہ قاصد

حاشیے میں انتظار کی جگہ "اضطراب" لکھا ہے اور یہی مطبوعہ میں ہے۔

۵: ورق ۴۳ الف پر ایک شعر ہے:

تشنۂ دیدار ابرو جو سمجھتا ہے مجھے کر رہا ہے قتل قاتل خنجرِ بے آب سے

متن اور حاشیے میں "ن" لکھ کر قتل کی جگہ "ذبح" بنایا گیا ہے، یہی قرأت مطبوعہ میں بھی ہے۔

۶: ورق ۴۶ ب پر ہے:

موئے کمر نظر نہیں آتا تو کیا کروں تعریف ورنہ کی ہے ترے بال بال کی

حاشیے میں پہلے مصرع یوں نسخہ یوں لکھا ہے۔ "موئے کمر نظر ہی نہ آئے تو کیا کروں" مطبوعہ میں مصرع کی یہی شکل ملتی ہے۔

۷: ورق ۶۵ ب پر ایک شعر ہے:

دیکھے گا، اے محتسب، تاثیر ایام بہار کم نہیں گل سے جو محفل میں شکستہ جام ہے

مصرع اول کے لفظ دیکھے گا پر نسخہ لکھا ہے "دیکھنا" مطبوعہ میں یہی لفظ ملتا ہے۔

۸: ورق ۱۲۲ الف میں مقطع سے پہلے یہ شعر تھا:

گٹکری ہے گلے میں کافر کے دیکھیے جب ہے تان ہونٹوں پر

اسے قلمزد کر کے حاشیے میں لفظ "قطعہ" کے تحت یہ شعر اضافہ کیا:

دانتوں[1] پر ہے بہار مستی کی رنگ لایا ہے پان ہونٹوں پر

اس عمل سے مقطع قطع بند ہو گیا ہے۔ مطبوعہ نسخے میں اس شعر کو قلمزد شعر سے پہلے لکھا گیا اور اسے بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

۹: ورق ۱۴۱ الف پر ایک شعر متن میں یوں تھا۔

تم چھپر کھٹ میں ہم جنازے پر سیکھے ہیں خوب ڈھنگ سونے کا

حاشیے میں دوسرے مصرع کے ابتدائی الفاظ یوں بدل دیے ہیں۔ کیا نکالا ہے الخ۔ مطبوعہ میں بھی یہی الفاظ ملتے ہیں۔

۱۰: ورق ۱۴۹ آ پر ایک شعر ہے:

---

[1] اصل میں داتوں ہے

حیران ہوں، کیوں ہاتھ ترے بن گئے شعلے کہتے ہیں کہ تاثیر میں ہوتی ہے حنا سرد

حاشیے میں دوسرے مصرع کو بہ طور نسخہ یوں لکھا ہے: "کہتے ہیں اطبا کہ ہے تاثیر حنا سرد"۔ یہ اصلاح مطبوعہ میں شامل نہیں، اس لیے قابل قدر ہے۔

۱۱: ورق ۱۵۶ الف پر ایک شعر ہے:

آپ اگر اپنی عبادت کرتے ہیں اے خود پرست سر جھکا مینار مسجد کا نہ کیوں محراب میں

حاشیے میں مصرع ثانی کا نسخہ تجویز کیا ہے: کیوں نہ مسجد کا منارا خم ہوا محراب میں۔

مطبوعہ میں دوسرا مصرع اصلاحی شکل میں ہے۔ نیز اس میں یہ "خود پرست" ہے۔

ب: تشریحات الفاظ

۱: اس مخطوطے کے حاشیے میں کچھ دل چسپ تشریحیں بھی مندرج ہیں۔ چنانچہ ورق ۱۰ اب پر ایک شعر ہے:

عہد طفلی میں بھی تھا غم ہی تفکر اپنا مانگتا تھا کوئی ادھا نہ کبھی یاری کا

اس شعر کے محاذ میں حاشیے پر یہ تشریح مندرج ہے:

"ادھا نام بازلیت کہ ہر گاہ طفلے چیزے خورد، دو دیگر طفل کہ ادھا بستہ است میگوید کہ ادھا بدہ، پس آں را واجب شد کہ ازاں چیز نصف بحریف خود بدہد، چوں آں طفل کہ چیز میخورد، اولاً بحریف خود گوید کہ ــــ ادھا کھاؤں ادھا نہ دوں۔ پس چیز بحریف نمی دہد تمام میخورد ۱۲۔"

دیوان مطبوعہ میں یہ شعر اور تشریح دونوں شامل نہیں، اس لیے دل چسپ بھی ہیں اور اہل لغت کے لیے بھی مفید۔

۲: ورق ۹۵ الف پر ایک شعر ہے:

پھوٹ نکلی ہے سویدا کی جو رنگت اے صنم صاف آتا ہے نظر یاں تا پہلو سیاہ

حاشیے میں لکھا ہے "یعنی پہلوی چپ"۔

۳: ورق ۱۱۰ الف کا پہلا شعر ہے:

جائے دنداں لب سوفار ہوئے اے قاتل دہن زخم سے ہوگا نہ ترا تیر جدا

اس موقع پر "جائے دنداں" کے لیے حاشیے میں لکھا ہے "در عرف ہند سوڑہ گویند"۔

۴: ورق ۱۱۱ الف پر یہ شعر ہے:

تیرے سر پر جس طرح ہے ابر کا سایہ مدام میرے سر پر ہو یوں ہی سایہ تری دیوار کا

اس شعر کے لفظ "تیرے" پر سرخ روشنائی سے ایک کا ہندسہ لکھ کر حاشیے میں لکھا ہے: "یعنی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔

ج: اضافۂ اشعار

مخطوطے کے حاشیوں میں جو شعر بڑھائے گئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱: ورق ۱۰ اب کے حاشیے میں یہ شعر بڑھایا ہے:

یہ صفائی یہ لطافت جسم میں ہوتی نہیں تم نے جو دل میں چھپایا آشکارا ہوگیا

مطبوعہ میں اس کا دوسرا مصرع یوں ہے۔ تم نے جو دل میں لیا وہ آشکارا ہوگیا۔

۲: ورق ۸۲ الف کے حاشیے میں یہ شعر لکھا ہے:

نامۂ جاناں کے پڑھنے سے جو دیکھا خوش مجھے　　نامہ بر بولا کہ ہو پروانگی انعام کی

متن میں جو علامتِ سقوط لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر مذکورہ کا اضافہ اس شعر کے پہلے ہونا چاہیئے:

لکھوں سرنامے پہ اپنا نام اگر میں قاصدا　　خط ہی گم ہو ایسی ہے تاثیر میرے نام کی

مطبوعہ نسخے میں ایک تو حاشیے کا شعر شامل نہیں کیا گیا، دوسرے "لکھوں سرنامہ پہ الخ" کا دوسرا مصرع یوں مندرج ہے:

"خط بھی گم ہو ایسی ہے تاثیر میرے نام کی"۔

۳: ورق ۸۸ ب پر ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے:

اے سحر اب اپنی نورانی دکھا صورت ہمیں　　کیسی کالا منہ دکھاتی ہے شب فرقت ہمیں

اس مطلع کے بعد علامت سقوط لکھ کر حاشیے میں یہ تین شعر درج کیے گئے ہیں:

ہجر میں اپنی نظر آئی عجب صورت ہمیں　　آئنے کو دیکھتے ہی ہو گئی حیرت ہمیں

ہجر میں کٹ کر کلیجہ گر پڑے گا منہ کی راہ　　زہر کا ہے گھونٹ[1]، ساقی، بادہ عشرت ہمیں

قد جھکا جاتا ہے اپنا مثل طوق اے فاختہ　　یاد رہتا ہے جو وہ سرو سہی قامت ہمیں

یہ تینوں شعر باوجود اس کے کہ غزل کے اچھے شعروں کی ٹکر کے ہیں، مطبوعہ میں شامل ہونے سے رہ گئے" اس لیے بے حد قابل قدر ہیں۔

۴: ورق ۱۹۰ الف کے حاشیے میں یہ شعر درج ہے:

جیتے جی آنے ہمارے ہاتھ ہے امر محال　　کم نہیں مکتوبِ جاناں نامۂ اعمال سے

مطبوعہ سے یہ شعر بھی خارج ہے۔

۵: ورق ۹۴ ب کے حاشیے میں ایک شعر یوں لکھا ہے:

گنبد مدفن مرے اشکوں میں یوں ہے بعد مرگ　　بلبلے پڑتے نظر آتے ہیں جیسے آب پر

مطبوعہ میں بجائے "پڑتے" کے "ترتے" ہے، جو بعد کی اصلاح معلوم ہوتی ہے۔

۶: ورق ۹۵ ب کے حاشیے میں یہ شعر درج ہے:

سبزہ ہے، گل ہیں، کھڑی ہے دونوں پر کالی گھٹا　　رنگ خط ہے سبز، چہرہ سرخ ہے گیسو سیاہ

مطبوعہ میں پہلے مصرع کے اندر بجائے گھڑی کے "کھری" ہے جو بظاہر "گھری" معلوم ہوتا ہے۔

۷: ورق ۱۰۷ الف کے حاشیے میں یہ شعر درج ہے:

گور میں سونے کو ہوتا ہوں، جو کہتا ہے کوئی　　آج میرے خواب میں آئے وہ بارے رات کو

مطبوعہ میں یہ شعر بھی نہیں ہے۔

۸: ورق ۱۱۰ الف کے حاشیے میں یہ شعر ہے:

جب جدائی کے مضامین مجھے سوجھتے ہیں　　حرف سے حرف ہوا ہے دم تحریر جدا

مطبوعہ میں "سوجھے" ہے جو یا تصحیح ہے یا اصلاح ہے۔

۹: ورق ۱۲۳ ب کے حاشیے میں یہ دو شعر درج ہیں:

جو چھپتے ہیں پیشانی پر آپ افشاں　　یہ صفحہ مطلا ہوا چاہتا ہے

نقطا کیا ہے یعقوب کو عشق یوسف　　کنواں بھی تو اندھا ہوا چاہتا ہے

مطبوعہ میں علاوہ ترتیب کے اختلاف کے دوسرا شعر موجود نہیں۔

---

[1] اصل میں "گونٹ" لکھا ہوا ہے

۱۰: ورق ۱۲۷ الف کے حاشیے میں یہ شعر ملتا ہے:

کیا بہار آئی ہے؟ جو موج ہوا کے بدلے — تار اڑتے نظر آتے ہیں گریبانوں کے

شعر خوب تھا، مگر کسی وجہ سے شاملِ دیوان مطبوعہ نہیں کیا گیا۔

۱۱: ورق ۱۲۸ الف، ۱۳۰ ب، ۱۳۲ الف، ۱۳۸ الف، ۱۵۳ الف، ۱۵۵ ب، ۱۵۸ الف، ۱۶۰ الف کے حاشیوں میں علی الترتیب یہ غزر مندرج ۱۰ درسب کے سب مطبوعہ میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں:۔

یاد ہر دم ہے دہی کاکل خم دار مجھے — کیوں نہ ہو جائے بھلا موج نفس مار مجھے
سوکھا میں غم سے، باغ میں آیا نظر جو خار — بیمار ہوں میں، نرگس بیمار دیکھ کر
تو دیکھ کے خوش ہو تو ابھی لخت جگر سے — ہر ایک مژہ کو کرے پھولوں کی چھڑی آنکھ
تجھے تو ہولی ہے کافر مجھے دھولینڈی ہے — غبار دشت جدا ہے، ترا گلال جدا
تو سرخ ہے خوں سے، پر دشیریں — غم سے ہوئی ہائے، کوہکن، زرد
فرقت محبوب میں جس شب اچٹ جاتی ہے نیند — آتے ہیں کیا کیا خیال اپنے دل بیتاب میں
یوں تصور ترے پلکوں کا دل روشن میں ہے — جیسے ہوں تار شعاعی مہر عالمتاب میں
کروں میں ذکر نہ کیوں بار بار مچھلی کا — یہیں وہ کھیل رہے تھے شکار مچھلی کا
جڑاؤ مچھلی تری یاد آگئی مجھ کو — کیا شکار اگر فلس دار مچھلی کا
قہر ہو وہ بت نازک جو کرے بادہ کشی — بوئے انگور سے ہوتا ہے وہ اکثر بیہوش

د: **اضافۂ غزلیات** مخطوطے میں حسب ذیل غزلیں حاشیوں میں اضافہ کی گئی ہیں:

۱: کیا گزرا اس کے دہان تنگ سے ہو بات کا (ورق ۱۳ الف)

اس کے دوسرے شعر کا دوسرا مصرع مخطوطے میں یوں ہے: یاد آیا لطف، اے گل، مجھ کو تیری بات کا۔" مطبوعہ میں اسے بدل دیا گیا ہے: مجھ کو اے گل، لطف تیری بات کا۔"

مخطوطے میں تیسرا شعر ہے:

روتے روتے ہم ذرا تڑپے تھے بالائے زمیں — کہتے ہیں سب قہر تھا یہ زلزلہ برسات کا

مطبوعہ میں "یا زلزلہ" چھپا ہے:

مخطوطے کا ایک شعر ہے:

ہڈیاں میری سگ جاناں کو پہنچا دے کوئی — بعد مردن بھی ہے ظالم بھیجنا سوغات کا

مطبوعہ میں بجائے "ظالم" کے "لازم" ہے۔

مخطوطے میں مقطع اس طرح ہے:

نفی اپنی کرتے اوّل، بعد اثبات حبیب — ہے عبث یہ شغل ناسخ نفی اور اثبات کا

مطبوعہ میں بجائے "اول" کے "پہلے" ہے۔

۲: ورق ۱۵ الف کے حاشیے میں ایک غزل درج ہے جس کا آغاز اس مصرع سے ہوتا ہے:

"تیرے گیسو میں نے دیکھے جوش سودا ہو گیا۔" اس غزل کے دوسرے شعر کے دوسرے مصرع کے الفاظ مخطوطے میں یہ ہیں

"شاہ جنات ایسا رذیا شاہ دریا ہو گیا"۔

مطبوعہ میں "شاہ جنہ" مندرج ہے

مخطوطے میں ایک شعر ہے

نقش ہیں تسخیر دل کے واسطے نقش قدم　　سایہ تیرا اے پری جادو کا پتلا ہو گیا

مطبوعہ میں تسخیر دل کی جگہ "تسخیر دان" ہے۔

۳: ورق ۲۴ ب کے حاشیے میں ایک غزل درج ہے، جس کا ایک شعر مخطوطے میں یوں ہے۔

رہ گیا میں مسوس کر دل میں　　کب منیر مجھے مساس ہوا

مطبوعہ میں "دل کو" ہے۔

۴: ورق ۷۵ الف کے حاشیے میں جو غزل ملتی ہے، اس کا ایک شعر ہے:

بے شبہ پڑ گیا ہے، دلا، عکس موئے سر　　آئینہ جبیں میں یہ چین و شکن نہیں

مطبوعہ میں "پیچ و شکن" چھپا ہے۔

دوسرا شعر ہے:

کیوں ہو گیا ہے روز جدائی مجھے پہاڑ؟　　عاشق تو ہوں ضرور دلے کوہکن نہیں

مطبوعہ میں "دلے" کی جگہ "نگر" ہے

۵: ورق ۷۶ الف کے حاشیے میں ایک غزل درج ہے، اس کا شعر ہے:

طفلی سے ہے یہ شوق شراب آب کی مانند　　گھٹی مری پیری میں بھی زنہار نہ چھوٹی

مطبوعہ میں پہلا مصرع یوں ہے "طفلی سے ہی ہے شوق شراب"

اسی غزل کا ایک شعر ہے:

نبضیں بھی مری چھوٹ گئیں منتظری میں　　مہندی ترے پاؤں کی مگر یار نہ چھوٹی

یہاں "انتظار" کی جگہ "منتظری" کا استعمال اہل لغت کے لیے دل چسپ ہے۔

۶: ورق ۱۰۴ الف کے حاشیے میں ایک غزل درج ہے، اس کا مطلع ہے:

فرقت ساقی میں کیا مینا و ساغر توڑیے　　خشت پائے خم سے اپنا کاسۂ سر توڑیے

مطبوعہ میں "خشت ہائے خم" ہے۔

اس کا ساتواں شعر مخطوطے میں یوں ہے:

انتظار صبح میں مر مر کے کاٹی ہم نے رات　　اشتیاق شام میں اب جان دن بھر توڑیے

مطبوعہ میں "ہم نے" کی جگہ "میں نے" ہے۔

مخطوطے میں گیارھواں شعر ہے:

عکس جاناں کا ادب ہے، ورنہ تیرآہ سے　　آئینہ کیسا؟ ابھی سد سکندر توڑیے

مطبوعہ میں "کیا ہے" ہے۔

۷: ورق ۱۱۳ الف کے حاشیے میں جو غزل درج ہے اس کا دوسرا شعر ہے:

بے گداز دل نہیں ممکن کہ ہو سیر و سلوک　　دیکھ اوزاہد! روانی آب آہن میں نہیں

مطبوعہ میں "سپہر سلوک" ہے

ایک اور شعر ہے:

کس کو یاں تیرے سوا پہنچا سکے کوئی گزند　　کون ہے وہ اے اجل! جو تیرے جوشن میں نہیں

مطبوعہ میں پہلا مصرع یوں ہے:

کس کو یاں پہنچا سکے تیرے سوا کوئی گزند

۸: ورق ۱۳۰ الف پر جو غزل ہے اس کا دوسرا مطلع ہے:

کیا ہے پروا جلئے، یا عالم رہے　　تو ہے جب تک ساتھ تیرے ہم رہے

مطبوعہ میں دوسرا مصرع ہے:

تو ہے جب تک ساتھ تیرے ہم رہے

۹: ورق ۱۶۶ الف کے حاشیے میں ایک غزل ہے اس کا مطلع ہے:

کیسے شب وصل آئے مرے شام و سحر ساتھ　　گھڑیالیوں نے دونوں بجائے ہیں گجر ساتھ

مطبوعہ میں مطلع اس طرح ہے:

کیسے شب وصل آئے نظر شام و سحر ساتھ　　گھڑیالیوں نے دو دو بجائے ہیں گجر ساتھ

ایک اور شعر ہے:

منہ آئینے میں اس نے جو دیکھا، تو میں بولا　　کیا حشر ہے؟ طالع جو ہوئے شمس و قمر ساتھ

مطبوعہ میں بجائے "میں بولا" کے "وہ بولا" ہے

ایک اور شعر ہے:

وہ سرو جو ہوتا ہے خراماں روشوں پر　　سائے کی طرح پھرتے ہیں گلشن میں شجر ساتھ

مطبوعہ میں "گلشن کے شجر" ہے۔

اس نسخے کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے، تو اور بھی بحث کے گوشے نکلیں گے، جو ناسخ اور کلام ناسخ کے سلسلے میں دل چسپ اور مفید نتائج کے حامل ہوں گے۔

یہ مضمون پہلی صحیفہ لاہور بابت اکتوبر ۱۹۶۱ء سے نقل ہوا ہے
نیز اس مضمون کا اصل مسودہ مخطوطات اردو ۱۷۴۳ء

سودا کے شہر آشوب

ڈاکٹر خلیق انجم

شہر آشوب کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے کسی عہد میں کوئی پابندی نہیں رہی۔ رباعی، مخمس، مثنوی، اور مسدس وغیرہ میں شہر آشوب ملتے ہیں۔ لیکن سودا کے اعتبار سے ہم شہر آشوب کا تعین کر سکتے ہیں۔ شمالی ہند کے ابتدائی شاعروں نے جو شہر آشوب لکھے ہیں ان میں مختلف طبقات کی اقتصادی بدحالی کا بیان ہے۔ کسی سیاسی حادثے کا ذکر کیا گیا ہے یا ماضی کی خوش حالی، عیش و عشرت، مالی آسودگی اور ذہنی سکون کا ماتم کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ شہر آشوب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "دراصل کسی نظم کا شہر آشوب کی صنف میں شامل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس میں چند بنیادی اوصاف اور شرائط موجود ہوں۔ اولین شرط اس نظم کی یہ ہے کہ اس میں کسی شہر (یا ملک) کے مختلف طبقوں کا تذکرہ ہو۔ علی الخصوص کاری گروں اور پیشہ وروں کا ذکر۔ دوسری صفت اس نظم کی یہ ہے کہ اس میں اقتصادی اختلال یا کسی حادثے کی وجہ سے سیاسی اور مجلسی پریشانی کا ذکر ہو۔ ابتدائی زمانے کے شہر آشوبوں پر پہلی صفت غالب تھی مگر بعد میں دوسری صفت بھی شہر آشوب کے ساتھ لازم سی ہو گئی۔"(۱)

ڈاکٹر صاحب کی بیان کی ہوئی یہ تعریف جامع نہیں ہے۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد بہت سے شہر آشوب ایسے لکھے ہیں۔ جن میں سیاسی اور مجلسی پریشانی کی بجائے خود حادثے کا بیان کیا گیا ہے پھر سودا کا قصیدہ تضحیک روزگار اگرچہ ایک گھوڑے کی ہجو ہے لیکن اسے شہر آشوب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی حال فولادی خاں کی ہجو کا ہے۔

میرے خیال سے شہر آشوب کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ نظم جس میں کسی سیاسی حادثے کی تفصیل بیان کی جائے یا اقتصادی بدحالی کا ذکر کیا جائے۔ یا سیاسی ابتری اور ضبط و نظم کے فقدان کا ماتم کیا جائے یا اس زمانے کا ماتم کیا جائے جب خوشحالی تھی ہر طبقے کی مالی حالت اچھی تھی۔ ہر طرف خوشی و انبساط کے ترانے گونجتے تھے۔ زندگی عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ملک کے انتظام میں ضبط و نظم تھا۔ شرفا اور کمزوروں پر زیادتی جاری نہیں تھی اور ذہن فکر غم دوراں سے آزاد تھے۔ ابتدائی عہد کے شہر آشوبوں میں اقتصادی بدحالی کا ذکر پیش در پیش کیا گیا ہے۔ لیکن بعد میں یہ قید بھی نہیں رہی۔ بلکہ اسی زمانے میں بھی شہر آشوب ایسے لکھے گئے جو اس قید سے آزاد تھے۔

سودا کے معاصرین میں شاہ حاتم، شاکر ناجی، پیر خاں کمترین، میر تقی میر، قیام الدین قائم، رنگین اور لچھمی نرائن شفیق وغیرہ نے شہر آشوب کہے۔ سودا کی چار نظمیں شہر آشوب کی تعریف پر پوری اترتی ہیں۔ (۱) قصیدہ شہر آشوب (۲) مخمس شہر آشوب (۳) قصیدہ تضحیک روزگار (۴) مثنوی در ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال شاہجہاں آباد۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل حکومت میں جو زوال آیا تھا۔ جس نے عوام کی زندگی کو اجیرن کر دیا تھا یہ شہر آشوب ان حالات کی مکمل تصویریں ہیں۔ پہلے شہر آشوب میں سودا نے مختلف پیشہ وروں اور امرا و رؤسا کی اقتصادی بدحالی کی عکاسی کی ہے۔ بقول سودا کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جس میں آمدنی کی صورت ہو۔ سپاہ گری معزز ترین پیشوں میں سے ایک ہے۔ مگر اس عہد میں اس پیشے کا بہت برا حال تھا۔ اگر سپاہی گھوڑا لے کر کسی کا ملازم بھی ہو جائے تو گھوڑے کے کھانے کے لیے کہاں سے لائے

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی — تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہے
گذرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر — شمشیر جو گھر میں تو سپر بنیے کے یاں ہے

---

(۱) بحث و نظر ص/ ۲۸ - ۲۹

امرا کی خود مالی حالت خراب ہے۔ وہ تنخواہ دیں تو کیسے؟ لیکن جن ملازمین کے جسم میں جان ہے وہ دھونس دیتے ہیں۔ آقا کی بے غرتی کرتے ہیں اور مختلف حربے استعمال کرکے اپنی تنخواہ حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن کمزور بے چاروں کی کوئی نہیں سنتا۔ اگر انسان کسی کی معاجت کرے تو اور مصیبت ہے۔ وہ امیر اگر رات بھر جاگے تو مصاحب کو بھی جاگنا پڑتا ہے۔ نیند کے مارے بُرا حال ہے۔ مگر اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتے۔ طبابت کے پیشے میں کچھ اور پریشانیاں ہیں۔ نواب جو چاہتا ہے کھا لیتا ہے۔ پیٹ میں تکلیف ہونے پر طبیب مورد الزام ہوتا ہے۔ اگر نواب کو چھینک آجائے تو اس کی ذمہ داری بھی طبیب ہی پر عائد ہوتی ہے۔ گویا ان امرا کے طبیب علاج کرنے والے نہیں بلکہ موت سے لڑنے والے سپاہی ہیں۔ انسان اگر سوداگری کرنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ

سوداگری کیجے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجیے منزل
ہر شام یہ دل وسوسۂ سود و زیاں ہے
لے جا جو کسی عہدہ کی سرکار میں دے جنس
یہ درد جو سنیے تو عجب طرز بیاں ہے
قسمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ پہ دزدی کا گماں ہے

غرض بڑی مشکل سے بھاؤ تاؤ ہوتا ہے امیر ایک پروانہ عامل کے نام لکھ کر دے دیتا ہے مگر ان کے خزانے میں پیسے ہی کہاں؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیز واپس ملتی ہے اور نہ پیسہ۔ اگر کھیتی باڑی شروع کی جائے تو ہر وقت بارش نہ ہونے کا ڈر اور قرقی کا خوف کھائے جاتا ہے۔ مختلف پیشوں کی تباہی کے ذکر کے بعد سودا شاعروں کا حال بیان کرتے ہیں

شاعر جو سنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال — دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے
مشتاق ملاقات انھوں کا کس دن اکس — ملنا انھیں اُن سے جو فلاں ابن فلاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ — نیت قطعۂ تہنیت خان زماں ہے
تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فکر — گر رحم میں بیگم کے سنے نطفۂ خاں ہے
اسقاط حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا — پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

شہر آشوب کے آخر میں سودا کہتے ہیں کہ انسان اگر بالفرض ہفت ہزاری بھی ہو جائے تو ذہنی آسودگی اور سکون ممکن نہیں۔ بلکہ دنیا ہی کیا عقبیٰ میں بھی آسودگی نہیں مل سکتی

بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی سمجھیو تو راحت جاں ہے
ٹک دیکھنا منصور علی خاں جی کا احوال
چھاتی پر کڑک بجلی ہے اور شیر دہاں ہے
آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال
جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام

عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
سودا اس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گماں ہے
یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیت نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

دوسرے شہر آشوب میں سودا نے مغل حکومت، اس کے بادشاہ، شہزادے، امرا و رؤسا کی زبوں حالی کا مرثیہ کہا ہے۔ ان کے سیاسی اقتدار کے کھو جانے کا جھوٹی عزت و وقار اور اقتصادی بدحالی کا ماتم کیا ہے۔ سودا زندگی بھر جاگیر دار طبقے سے متوسل رہے اس لیے ان کی ہمدردیاں سماج کے اس طبقے کے ساتھ ہیں۔ انھیں اس طبقے کی بربادی کا بہت صدمہ ہے۔ انھوں نے مختلف افراد اور اشیار کا مضحکہ اڑایا ہے۔ اور اپنے طنز کے تیز نشتر ایک ایک ناسور پر چلائے ہیں۔ سودا خود کو اس طبقے کا ایک فرد سمجھتے ہیں اس لیے یہ ناسور خود ان کی زندگی کے ناسور ہیں۔

مخمس کے پہلے بند میں سودا بے روزگاری کی شکایت کرتے ہیں اگر انسان گھوڑا خرید بھی لے تو ملازمت کس کی کرے۔ نوکری ڈھیریوں یا تول تو بکتی نہیں۔ جو بازار جا کر خرید لی جائے۔ پہلے امیر دولت مند نوکر رکھتے تھے اب جاگیر سے ان کی آمد بند ہو چکی ہے۔ مدتوں سے ملک میں سرکشوں کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ پہلے جو ایک شخص بائیس صوبوں کا خاوند تھا اب وہ کول (علی گڈھ) کا فوجدار بھی نہیں رہا۔ کئی بند دل میں سودا نے جاگیرداروں کی بدحالی کا نقشہ کھینچا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ طبقہ جو صاحب حل و عقد تھا۔ جس کے دم سے ملک کی سیاست چلتی تھی۔ سیاست سے بیزار ہو گیا اور بقول سودا۔

جو کوئی ملنے کو انھوں کے گھر آیا
لے یہ اس سے گرا اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اس میں وہ در میاں لایا
انھوں نے پھیر کے دھر سے منہ یہ فرمایا
خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

مغل زوال کا اثر فوج پر براہ راست پڑا تھا۔ وہ سپاہی جن کے کارنامے سنہرے لفظوں سے لکھے گئے تھے اب تلوار بھی اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ سودا نے سپاہیوں کی بزدلی کو ذرا مبالغے کے ساتھ پیش کیا ہے۔

پڑے جو کام انہیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موتے بھری لڑائی سے
پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول

مغل خزانہ خالی پڑا تھا۔ تمام صوبے خود مختار ہو چکے تھے۔ خالصہ بہت مختصر تھا۔ اور جو تھا اس سے آمدنی بالکل نہیں تھی۔

نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری — سپاہی تا منشی سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کی میں کیا لکھوں خواری — سوال دستخطی کو پھاڑ کر کے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کنول

شہزادے قلعہ معلےٰ میں فاقوں مر رہے تھے لیکن کوئی ان کی چیخ و پکار سننے والا نہ تھا۔ قلعہ کا خزانہ خالی تھا۔ قیمتی اشیاء نادر شاہ اور ابدالی کی نذر ہو چکی تھیں۔ اور مغل شہنشاہ کے پاس اتنا پیسہ نہیں تھا کہ شہزادوں کو صرف ایک وقت بھی کھانا کھلا سکتا۔

مچا رکھی ہے سلاطینوں نے یہ تو بہ دہاڑ
کوئی تو گھر سے نکل آئے ہیں گریباں پھاڑ
کوئی در اپنے پہ آدے دمے مارتا ہے کواڑ
کوئی کہے جو ہم لیے میں چھاتی ہے گی پہاڑ
تو چاہتے ہیں کہ ہمیں سب کو زہر دیجے گھول

دہلی جو عالم میں انتخاب شہر تھا۔ اجڑا پڑا تھا۔ جہاں کبھی عیش و عشرت کی محفلیں سجتی تھیں اب وہاں گیدڑ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ جس کی شہر کی حسین و خوبصورت عمارتوں پر جنت کو بھی رشک آتا تھا۔ جہاں ایک ایک گھر چمن اور سبزہ زار تھا آج وہاں گھر گھر گھاس ہے عمارتیں شکستہ پڑی ہیں۔ کہیں کسی مکان کا ستون نظر آتا ہے۔ کہیں مرغول۔ جس شہر کے چراغاں کو دیکھ کر آسمان کے ستارے حسد سے جلے مرتے تھے آج وہاں کی تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں ہوش جن کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتی رہی تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہو دے زندگی سے اداس
بجائے گل چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

یہ باغ کھا گئی کس کی نظر نہیں معلوم
نجانے کن نے رکھا یاں قدم وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو صنوبر وہاں اگے ہیں زقوم
مچے ہے زاغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھیں کلول

یہ حالات تھے جن سے تنگ آکر فن کار اور اہل ہنر نے ترک وطن کیا۔

غرض مآل ہے اس گفتگو سے یہ میرا
کہ بے زری نے جب ایسا گھر آن کر گھیرا
تو کوئی قصد کرے نوکری کا بہتیرا
نہیں یہ فائدہ کچھ تا وہ چھوڑ کر ڈیرا
کرے نہ عزم سوئے اصفہان و استنبول

گھوڑا دراصل فوجی نشان ہے۔ کیونکہ اس عہد میں فوج و شکست و فتح کا بہت زیادہ دارومدار گھوڑے پر تھا۔ انوری نے فارسی میں گھوڑے کی ہجو کہی ہے۔ یہ ہجو گھوڑے کی نہیں بلکہ مغل حکومت کے فوجی نظام کی ہے جو افسانوی انداز میں کہی گئی ہے۔ سودا کے ایک دوست تھے جو سو روپے کے ملازم تھے۔ چونکہ ایمان دار تھے، اس لیے اوپر کی آمدنی نہیں تھی۔ ان کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ چونکہ گھوڑے کو دانہ اور گھاس نہیں ملتی تھی سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔

ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
اس مرتبہ کو بھوک سے پہونچا ہے اس کا حال
کرتا ہے واکب اس کا جو بازار میں گذار
قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار
ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
ایک دن گیا تھا مانگے پہ گھوڑا برات میں
دولھا جو بیاہنے کو چلا اس پر ہو سوار
سبزہ سے خط سیاہ و سیہ سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ بار دار
پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخیت کے درجے سے کر اس طرف گذار

سودا نے چالیس اشعار میں طرح طرح سے گھوڑے کی حالت بیان کی ہے۔ اور اس کی کمزوری اور لاغری کا مضحکہ اڑایا ہے۔ اس تعریف کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے۔ ایک دن نقیب نے سودا سے آکر کہا۔ مرہٹے دہلی تک آ پہنچے اور تم ابھی آرام سے بیٹھے ہو۔ سودا کو بہت شرم آئی انھوں نے فوراً میدان کارزار کی تیاری کی تمام ہتھیار سے لیس ہوئے اور اسی گھوڑے پر جا بیٹھے۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ یہاں اس کے بیان کرنے میں سودا نے کمال دکھایا ہے۔ وہ صرف اپنے زور تخیل سے ایک واقعہ پیدا کرتے ہیں اور بہت ہی ظریفانہ انداز میں اس واقعے کی تفصیلات سناتے ہیں۔ اس ظرافت میں طنز کے نشتر چھپے ہوئے ہیں جو ہمارے ناسوروں پر کام کرتے ہیں۔ سودا نے گھوڑے کے پردے میں اس فوج کا مذاق اڑایا ہے جو دہلی کو حملہ آوروں کے ہاتھوں لٹتے دیکھتی رہی اور کچھ نہ کر سکی نادر شاہ، ابدالی، روہیلے جاٹ اور سکھ دہلی کو لوٹ رہے تھے۔ قتل و غارت گری کر رہے تھے۔ تمام مال و دولت جمع کر کے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ مگر مغل فوج بے بس اور لاچار بنی سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی اور کچھ نہ کر سکی۔ سودا نے اس قصیدہ کا نام تضحیک روزگار رکھا ہے۔

سودا نے جب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا ہے نام اس قصیدہ کا تضحیک روزگار

اب سودا کے میدان جنگ میں جانے کا قصہ سنیے :-

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اوس پہ زیں
ہتیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا لکھوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ
تک تک سے باشہ تھے مرے پاؤں تھے نگار
آگے سے تو بڑا اُسے دکھلائے تھا سیں
پیچھے نقیب ہلکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
چاہیے اسے لگا دکنا ہو دے یہ ردا ں
یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار
کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

بہرحال خدا خدا کر کے میدان جنگ پہنچے وہاں جو حال ہوا وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا متعد بجنگ
اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دوچار
گھوڑا تھا بسکہ لاغر و لپت و ضعیف و خنگ
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کارزار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں ایسے حریف کو
دوڑوں تھا اپنے پاؤں پر جوں خجل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب جمی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا لغیل میں مار
دھر دھکا واں سے پڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

اس سلسلے کی چوتھی ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال شاہجہاں آباد کی ہے۔ جس میں سودا نے دہلی کی بد انتظامیوں کا مذاق اڑایا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان بد انتظامیوں کا ذمہ دار فولاد خاں ہے جو چوراہوں سے لا ہوا ہے۔

فولاد خاں[1] اور اس کے دو لڑکے ڈاکہ اندوزی میں خود حصہ لیتے تھے۔ جس شہر کے کوتوال کا یہ حال ہو تو اس کا خدا ہی حافظ ہے۔ یہ بد انتظامی اور کوتوال کی دیدہ دلیری مغل بادشاہ کی کمزوری اور لاچاری کی وجہ سے تھی۔ سودا نے حسب عادت ان واقعات کو مبالغہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہجو کی ابتدا میں سودا ان دنوں کو یاد کرتے ہیں۔ جب شہر میں نظم و نسق تھا۔ لیموں کے چور کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ جب کوتوال کو رشوت سے کوئی سروکار

[1] حاشیہ صفحہ آئندہ پر

نہ تھا۔ اس لیے شہر میں چور اچکے نہیں ہوتے تھے۔ اور اب تو یہ حال ہے۔

دیکھی جو ہم نے راہ چاوڑی کی
ہے رہزنی تلاوڑی کی

فولاد خاں جب سے کوتوال ہوا ہے امن و امان مفقود ہو گیا ہے۔

کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال
شیدی فولاد اب جو ہے کوتوال
چور کب اس کا زور مانے ہے
کالا بال اپنا اس کو جانے ہے
ان سے رشوت لیے یہ بیٹھا ہے
اس کے دل میں یہ چور بیٹھا ہے
لعبنوں کا سفید وں کے زور ہے یہ
چور کا بھائی گھنٹی چور ہے یہ

شہر کے تمام چور فولاد خاں سے ملے ہوئے ہیں اور صبح کو تمام چوراس کا حصہ بھیج دیتے ہیں۔ شہر میں ہر طرف خوف و ہراس ہے۔ لوگوں نے رات کو سونا بند کر دیا ہے۔ محفل عیش و طرب ہو کہ میخانہ۔ عبادت گاہ ہو یا بزم ہاؤ ہو ہر جگہ لوگ ہوشیار بیٹھے رہتے ہیں۔

بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں
بیٹھے ہیں کر کے رزم کا ساماں

---

(۱)۔ فولاد خاں دہلی کا کوتوال تھا۔ ۴ ربیع الثانی کو فولاد خاں کسی سبب سے گرفتار کیا گیا۔ اور وزیر الممالک (اعماد الملک) کے دیوان خانہ میں محبوس ہوا۔ کوتوالی اس کی جگہ سیدی بلال کو ملی۔ اسی ماہ کی ساتویں کو تشدد بسیار کے بعد بند زنداں سے نجات پائی۔ اور پچاس ہزار روپے بطور مال اماں مقرر ہوئے لیکن "موکلان وزیر الممالک" کی کشاکش سے نہ چھوٹا تھا کہ تیرھویں شعبان کو راہی عدم ہوا۔ فولاد خاں نے ۱۱۷ سال کی عمر پائی لیکن دیکھنے میں پچاس ساٹھ سال سے زیادہ کا نظر نہ آتا تھا۔ سلک دنداں باہم چناں منظم بود کہ اصلا احتیاج بہ خلال نیفتاد۔ روشنی چشم بدستور خواب و خورش بے فتور و قوت رجولیت برقرار و پشتش با ئیں جاناں نو خاستہ استعار بود فایں خوارق روزگار است (خان مذکور حبش کا رہنے والا تھا اس نے سات بار حج کیا) چندے بامر تجارت اشتغال در زیدہ و پس از آنکہ وارد ہندوستان شدہ۔ در سلک ملازمان .... محمد شاہ ..... منظم گشتہ پیوستہ برخاہ و فراغت اوقات بسری برد۔ مدت سی و چار سال بخدمت کوتوالی رکاب سعادت قیام در زیدہ۔ نظم و نسق شائستہ پدید آورد۔ تاریخ شاہ عالم گیر ثانی (مصنف نامعلوم۔ قلمی) بہ حوالہ معاصر حصہ ۲ صفحہ ۱۱۶/۔

قاضی عبدالودود نے ایک قلمی تاریخ سے فولاد خاں کا حال نقل کیا ہے۔ یہ تاریخ مجہول الاسم ہے۔ "دریں ولا حاجی فولاد خاں بہ گفت کسے بطور خود زاہد بیگ و صالح بیگ مغلاں را کہ سرخیل ڈاکہ اندوزاں بودند قابو دیدہ دستگیر کردہ آوردہ در چبوترہ بہ حبس سخت محبوس نمودہ۔ حکم بادشاہ حاصل نمودہ، گشت۔ چوں وقت بعصر می گذرد در قلعہ اوبہ روزیر الممالک عرض کردند کہ در ایں شہر مگر ہمیں دو کس ڈاکہ اندازی می کردند دیگرے نیست..... فولاد خاں خود ڈاکہ باہی زند۔ دیگر دو پسر آتش آپخہ افغاں غارتیدن از ڈاکہ اندازی و زر افشاری و غیرہ دارند در ہمہ عالم ظاہر است ازیں معنی وزیر الممالک مردم خود بکثرت نزد فولاد خاں فرستاد کہ بیارند۔ سوم ربیع الاول بیکپاس گذشتہ بذلت تمام پیادہ پا بدستور گنہ گاراں کشیدہ بردند۔ اس کا بڑا بیٹا رفیق اللہ خاں بھی گرفتار ہوا۔ مگر چھوٹا اس طرح بھاگا کہ بالکل پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ معاصر حصہ ۲ صفحہ ۱۱۷/

شام سے صبح تک یہی ہے شور
دوڑیو گھڑی بے چلا ہے چور
بے خطر ڈسے اب کوئی نہ رہا
اہل میخانہ میں بھی ہے ہوا
نہ عبادت کو جاگتا ہے شیخ
ڈر یہی چور آنہ مار لے میخ

لطف یہ ہے کہ ان چوروں نے خود فولاد خاں کا بھی یہی حال کر رکھا ہے۔

خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد
کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار
گرم ہے چوٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں تجھ سے اب بجا کر ڈھول
میری پگڑی کا میرے سر پہ مول

مزے دار اور تازگی بخش
رُوح افزا
روح افزا کی ایک تولی آپ کے سوا لہ بڑے گلاس
مزے دار اور تازگی بخش مشروب سے بھر دے گی۔
روح افزا گرمیوں میں ہر عمر کے لوگوں کا دل پسند شربت ہے
ہمدرد
دہلی ، کانپور ، پٹنہ

تصنیف :- البیر کامو

ترجمہ و تلخیص :- سید محمود رضوی

پلیگ

الجیریا کے ساحل پر اورن نام کا ایک چھوٹا سا بندرگاہ ہے۔ اورن کی اس سرزمین پر باغات نہیں ہیں۔ پھول نہیں ہیں، درخت اور ہریالی نہیں ہے۔ موسم کی تبدیلی کا احساس کسی کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ آسمان کی لامحدود وسعتوں میں ہی ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بہار کے آنے کا پتہ اس شہر میں صرف ان پھولوں سے چلتا ہے جو آس پاس کے مواضعات سے فروخت کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ موسم گرما میں آفتاب کی شدید تمازت ہر شے کو جھلس کر رکھ دیتی ہے۔ اور شہر کے در و دیوار تپ کر رہ جاتے ہیں۔ خزاں میں ہر جانب طوفان اور آگ کے بگولے اٹھتے رہتے ہیں۔ مکانوں، دیواروں اور سڑکوں پر بھوری اور باریک دھول کی تہیں جم جاتی ہیں۔ لیکن موسم سرما کے دوران فرد اس گرمی اور حدت سے کچھ پناہ سی مل جاتی ہے۔

اورن کے لوگ ایک گہری اکتاہٹ کا شکار ہیں۔ اور اس سے فرار پانے کے لیے وہ نئے نئے عیش و نشاط کے سامان کی تلاش میں رہتے ہیں۔ دولت پیدا کرنے کا عام رجحان غالباً اس اکتاہٹ یا پھر اس سے نجات حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔ تمام دن کسی نہ کسی طرح وہ زیادہ سے زیادہ دولت مند بننے میں صرف کرتے ہیں۔ اور رات کی تاریکی میں ان کی شدید آرزوئیں کسی غیر معروف اور انجانے رشوری جذبے سے مخمور ہو جاتی ہیں۔ یہاں کے نوجوانوں کی تفریحات بھی دنیا کے دوسرے عام نوجوانوں کی طرح فطری طور پر تیز اور مختصر ہوتی ہیں۔ اور طویل عمر کے لوگوں کے فرصت کے اوقات کلبوں اور دعوتوں میں صرف ہوتے ہیں۔ تاش کے پتوں پر سینکڑوں، ہزاروں کی بازی لگانا ان کی زندگی کا سب سے زیادہ ہمت کا کام ہوتا ہے۔ اورن کے لوگ ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ محض اس وجہ سے رکھتے ہیں کیونکہ ان کے پاس وقت کم ہے اور سوچنے کی فرصت نہیں۔

اسی لیے ۱۹۴۰ء میں اورن پر جو خطرناک اور بھیانک تباہی آئی اس کے بارے میں وہاں کے باشندوں کو تعجب ہی ہوا۔ دراصل ان کی سادی اور یکرنگی سے بسر ہونے والی زندگی میں اس تباہی اور بربادی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اور یکایک جب وہ حادثہ ظہور پزیر ہوا تو وہ لوگ یقیناً اس کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔

۱۶ اپریل کو صبح کو ڈاکٹر ریو جب اپنے دواخانے سے نکل رہے تھے تو ان کو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی ملایم سی چیز ان کے پیر کے نیچے دب گئی ہے۔ ایک مرا ہوا چوہا تھا، جو سیڑھی کے بالکل بیچ میں تھا۔ ڈاکٹر ریو نے اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا۔ اور اسے جوتے سے ہٹا کر وہ نیچے اترنے لگے۔ باہر نکلتے وقت جب انھوں نے دربان ماٹیکل کو دیکھا تو مرے ہوئے چوہے کا دھیان پھر آیا۔ آخر سیڑھی پر اس کے اس طرح پڑے ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔۔۔؟؟ پر اعتماد لہجہ میں ماٹیکل نے کہا کہ مکان میں چوہوں کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اور یہ یقیناً آس پاس کے شیطان لڑکوں کی حرکت ہے۔ ماٹیکل ( ) سے چوہا ہٹا دینے کے لیے کہتے ہوئے ڈاکٹر ریو چلے گئے۔

اسی شام کا واقعہ ہے۔ ڈاکٹر ریو (Dr. Reo) اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے کواڑ کھول رہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ سامنے تاریکی میں سے نکل کر ایک بڑا سا چوہا ان کی جانب آ رہا ہے۔ چوہے کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اور اس کی گہری بھورے رنگ کی کھال بھیگی بھیگی سی لگ رہی تھی۔ یکایک وہ رک گیا جیسے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ تھوڑا سا بڑھا، دوبارہ رکا اور پھر پیچھے

کی ایک ہلکی آواز کے ساتھ ڈھیر ہو گیا۔ اس کا منہ کھل گیا تھا اور اس میں سے خون کی ٹلی چھٹ رہی تھی۔ ڈاکٹر ریو متعجب ہو کر ایک لمحہ اس کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اوپر چلے گئے۔

مرے ہوئے چوہے کے منہ سے بہتی خون کی دھار نے اس خیال کو پھر تازہ کر دیا۔ جو آج تمام دن ڈاکٹر کے دل پر بار بنا رہا تھا۔

ریو کمرے میں داخل ہوئے تو مریض، بیوی کی مسکراہٹ نے خیر مقدم کیا۔ مسز ریو سال بھر سے بیمار تھیں۔

"آپ جانتے ہیں بہت اچھی رہی میری طبیعت آج دن بھر" وہ بولیں۔ اس کے چہرے پر طویل بیماری کی نشانیاں اپنا سایہ کیے ہوئے تھیں پھر بھی ڈاکٹر نے سوچا کتنی فطری جوانی اور کس قدر تازگی ہے اس چہرے پر۔ شاید مسکراہٹ نے اس لمحہ مرض کے خوفناک پن کو مکمل طور پر ہٹا دیا تھا۔

"اب سو جاؤ نرس کل گیارہ بجے آ رہی ہے۔ اور تمہیں دوپہر بارہ بجے کی گاڑی سے جانا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔

مسز ریو تندرست ہونے کے لیے اورن سے باہر ایک سینی ٹوریم میں جانے والی تھیں۔

بیوی کی ٹھنڈی پسینے سے تر پیشانی پر ایک نازک سا بوسہ دے کر ریو کمرے سے باہر چلے گئے۔

دوسرے روز صبح جب ڈاکٹر ریو نکل رہے تھے تو مائیکل نے انہیں روک لیا۔ اور کہا۔ "میں نے کہا تھا نا صاحب۔ ان نالائق لڑکوں نے تین مرے ہوئے چوہے بال میں بھی ڈال دیے تھے۔ شاید انہیں بہت نوکیلے چوہے دان سے پکڑا ہو گا کیونکہ ان کے جسم سے بے تحاشہ خون نکل رہا تھا۔" ریو مائیکل کی بات سن کر چلے گئے لیکن مائیکل کا شبہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکا۔

مائیکل نے دن بھر مکان کی سخت نگرانی کی لیکن بے کار، پتہ نہیں کس کی حرکت تھی کہ مرے ہوئے چوہے مکان میں پھر بھی پائے گئے اور چور کا کہیں پتہ نہیں چل سکا۔

"لیکن میں بھی ان بدمعاشوں کو پکڑ کر ہی دم لوں گا۔ آخر بچ کر کہاں جائیں گے۔ مائیکل نے پھر اسی خود اعتمادی کے ساتھ ڈاکٹر کے سامنے دعوے کیا۔

ڈاکٹر ریو مریضوں کو دیکھنے کے لیے ان کے گھر جا رہے تھے۔ کار ہلکی رفتار سے چل رہی تھی۔ ریو نے دیکھا سڑک کے کنارے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے پاس مرے ہوئے چوہے پڑے ہیں۔ نہ جانے کن شدید بدمعاش لڑکوں کی کرتوت تھے۔ ایک ہی گلی میں ڈاکٹر نے بارہ چوہے گنے۔

ریو کا پہلا مریض دمہ کا ایک پرانا مریض تھا، ایک بوڑھا اسپنی۔ اتنی طویل بیماری کے باوجود چہرے پر ایک مردانہ سختی تھی۔ اس کے پاس ہی دو برتن رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سوکھی مٹر تھی۔ جب ڈاکٹر ریو کمرے میں داخل ہوئے تو مریض پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا اور گردن ڈرامو کر ہانپ رہا تھا اور اکھڑی ہوئی لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مریض کی بیوی پیالہ میں پانی لے آئی۔ ڈاکٹر ریو انجکشن تیار کرنے لگے دفعتاً مریض بولا "دیکھا ڈاکٹر دیکھا۔ کتنے زور شور سے نکل رہے ہیں۔ وہ!

ان کا مطلب چوہوں سے ہے۔ پڑوس کے ایک شخص کو اپنی دہلیز پر تین چوہے مرے ہوئے ملے، بیوی نے بات صاف کرتے ہوئے کہا۔

ہا ہا ہا۔ ہا ہا ہا۔ ہا" بوڑھے مریض کے چہرے پر عجیب سی دہشت ناک چمک تھی۔ کوڑے کے ڈھیر میں درجنوں مل سکتے ہیں۔ یہ ان کی بھوک ہے جو کم بختوں کو کھینچ کھینچ کر باہر لا رہی ہے۔

مریضوں کو دیکھنے کے بعد ریو جب گھر واپس پہونچے تو انہوں نے مائیکل سے پہلا سوال چوہوں کے بارے میں کیا۔

"جی نہیں اب کوئی چوہا نہیں ہے۔ میں سخت نگرانی کر رہا ہوں۔ یہ بدمعاش چھوکرے سمجھ گئے ہیں کہ میں نے ان کی حرکت پکڑ لی ہے۔ اب وہ دوبارہ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

پھر مائیکل نے ان کے نام کا ایک تار ان کو دیا۔ تار میں لکھا تھا کہ ریو کی والدہ اگلے روز آ رہی ہیں۔ بیوی کی عدم موجودگی میں وہ بیٹے کی

نگہداشت کریں گی۔

مسز ریو سفر کے لیے بالکل تیار تھیں۔ ٹرنس بھی آچکی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ یکایک ریو کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کو اپنی بیوی کی دیکھ بھال اور زیادہ اچھی طرح کرنا چاہیے تھی' تیمارداری میں کچھ کمی رہ گئی۔ ذرا سے توقف کے بعد ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن تم جب لوٹ کر آؤ گی تو سب کچھ پہلے سے زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ ہم تم پھر سے نئی اور پرسکون خوشی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ ان کی آواز سے آرزو' حسرت' فکر تقاضہ سب ہی کچھ نمایاں تھا۔

مسز ریو خوشی سے کھل اٹھیں "ہاں.... ہاں..... بالکل نئی اور سکھی۔

اسٹیشن سے گاڑی روانہ ہوتے وقت بیوی کی آنسوؤں سے چھلچھلاتی آنکھوں میں ایک ایسی پرنور چمک اور مسکراہٹ تھی جو گاڑی چلے جانے کے بعد ریو کے ذہن سے نہ ہٹ سکی۔ کبھی کبھی آنکھوں کی زبان بھی کس قدر قابل فہم ہوتی ہے۔

ریو جب واپس جانے کے لیے مڑے تو انھوں نے سامنے سے پولیس مجسٹریٹ موسیو اوتھون کو آتے دیکھا "ہلو، کہیے اسٹیشن کیسے آنا ہوا؟ ریو نے سوال کیا۔

"مادام اوتھون واپس آرہی ہیں انہیں لینے آیا ہوں..... یہ چوہوں کا معاملہ۔ موسیو اوتھون نے کہا۔

اتنے ہی میں کسی انجن نے سیٹی دی۔ "چوہے..... کوئی ایسی خاص بات تو نہیں.....!" اسی وقت ریلوے کا ایک نوکر مرے ہوئے چوہوں کی ایک ٹوکری اٹھائے ان کے قریب سے نکل کر گیا۔ مادام اوتھون کی گاڑی آگئی تھی۔ ریو ان سے رخصت لیکر چلدیئے۔

اسی روز سہ پہر کو ایک فرانسیسی نوجوان ان سے ملنے دواخانہ میں آیا۔ اس کا نام رائمنڈ رابرٹ ( ) تھا۔ کپڑوں سے وہ ایک لاابالی نوجوان معلوم ہو رہا تھا۔ اور اس کے اطوار کچھ اس قسم کے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی حالت میں اپنی حفاظت کر سکتا ہے۔ وہ پیرس کے ایک اخبار کا نمائندہ تھا۔ اور اخبار کی طرف سے اس کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی تھی کہ وہ اس شہر کے عرب لوگوں کی زندگی اور خاص طور سے ان کی حفظان صحت کے اصولوں پر ایک مضمون لکھے۔

ڈاکٹر ریو نے اسے بتایا کہ لوگوں کی صحت عام طور سے اچھی نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ سوال بھی کیا کہ کیا وہ اخباری نمائندہ ہونے کے ناطے اپنے مضمون میں اس بارے میں سچائی پر سے مکمل پردہ اٹھا سکے گا۔؟

رابرٹ نے جواب دیا" کافی حد تک۔ میرا مطلب ہے.....

تو ہم لوگوں کا پھر اس بارے میں گفتگو کرنا بے کار ہے۔ ریو نے کہا۔

ایک لمحہ کے لیے رابرٹ نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا پھر وہ بولا "میں آپ کی بات سمجھ گیا۔ معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کا وقت خراب کیا۔"

ڈاکٹر ریو کے اتنے روکھے پن کے باوجود بھی جدا ہوتے وقت رابرٹ کے دل میں ان کے لیے ایک احترام سا تھا۔

پانچ بجے کے قریب ریو پھر اپنے شہر میں رہنے والے مریضوں کو دیکھنے کے لیے باہر نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ جین تا ( ) میٹر حیوں پر کھڑا فلسفیانہ انداز میں سگریٹ پی رہا ہے۔ اور ایک مرتے ہوئے چوہے کی آخری پھڑپھڑاہٹ بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ تارو نے ڈاکٹر کی جانب دیکھ کر کہا "ہے نا تعجب کی بات۔ اتنے سارے چوہے بلوں سے نکل نکل کر باہر مر رہے ہیں۔"

"ہاں عجیب گھبراہٹ سی ہوتی ہے" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ریو نیچے اترے تو مائیکل کو دیکھا وہ دیوار کا سہارا لیے کھڑا تھا۔ اور بہت تھکا ماندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا سرخ صحت مند چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔ مائیکل نے کہا، جب ریو نے اسے اور بھی مرے ہوئے چوہوں کے بارے میں بتایا" ان کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اور یہی بات دوسرے مکانوں میں بھی ہے۔" مائیکل کو ان نامعلوم لڑکوں کے سامنے ہار مان لینا ہی پڑی تھی۔ اس احساس شکست سے

مائیکل کی طبیعت کافی خراب تھی۔ حالانکہ اس وقت اس نے یہ بات نہیں مانی۔

دوسرے روز جب ریو کی والدہ آئیں تو مرے ہوئے چوہوں کی تعداد اور بڑھ گئی تھی۔ بالائی منزل سے نیچے تک چوہے ہی چوہے تھے اور آس پاس کے مکانوں اور سڑکوں پر بھی یہی حال تھا۔ مائیکل کی حالت اس روز اور بھی زیادہ خراب تھی۔

لیکن ان چوہوں کی وجہ سے اس خوشی میں کوئی فرق نہیں آسکتا جو مجھے تمہارے پاس آنے میں حاصل ہوئی ہے۔ ریو کی ماں ریو سے کہہ رہی تھیں۔

ریو نے میونسپلٹی کے محکمہ حفظان صحت کے چیرمین کو فون کیا۔ اور پوچھا کہ وہ چوہوں کے اس قدر زیادہ تعداد میں مرنے کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔؟ چیرمین بھی اس بات سے کافی فکرمند تھا۔ اس نے کہا کہ اگر حالت اور زیادہ خراب ہوئی تو وہ لوگ سخت سے سخت کارروائی کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔

اور شہر میں مرتے ہوئے چوہوں کا خوفناک سیلاب سا آگیا۔ دس سے بیس اور بیس سے سو اور سو سے ہزاروں تک بات جلد ہی پہنچ گئی۔ ایک طرف میونسپلٹی کی گاڑیاں مرے چوہے لاد کر جلانے کے لیے لے جاتیں اور دوسری جانب پھر اسی تعداد میں مرے ہوئے چوہوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ چوتھے روز تک چوہوں کے گروہ کے گروہ باہر نکل کر ادھر ادھر مرنے لگے۔

رات کی انتہائی تاریکی میں اور راستوں پر مرتے ہوئے جاتیں۔ اور پھر ایک پرہول منہ سے نکلا ہوا خون گندے پھیلا پڑا رہتا۔ ہر جگہ ان بھیانک لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جس کے ایوان کھڑے تھے اس مواد اب پھوٹ پھوٹ کر روک تھام انسان کے بس کی بات ۲۸ اپریل کو رینڈک خبر رساں میں آٹھ ہزار مرے ہوئے دوسرے روز سے ہی اچانک شروع ہوگیا۔ اور پریشان سانس لیا۔ جس روز چوہوں کے مرنے میں کمی ہوئی اسی روز ریو کو معلوم ہوا کہ مائیکل کی طبیعت کافی خراب ہوگئی ہے۔ اس کی گردن، بغل اور کمر میں درد تھا۔ اور گردن کے نیچے ایک بڑی سی گلٹی نکل آئی تھی۔ ریو دوسرے مریضوں کو دیکھنے کے لیے باہر نکل رہے تھے۔ انہوں نے مائیکل سے کہا۔

"تم فوراً گھر جاؤ اور تھرما میٹر سے بخار دیکھتے رہو۔ میں واپس آتے وقت تمہیں دیکھوں گا۔"

ریو ہسپتال میں کام کر رہے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میونسپلٹی کا ایک کلرک جوزف گرینڈ ( ) بات کر رہا تھا۔

ڈاکٹر اس کا علاج ایک بار پہلے کر چکے تھے۔

اس بار ایک اور شخص کے لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ میرے پڑوسی کو ایک حادثہ پیش آگیا ہے۔ اگر آپ آسکیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ جوزف نے کہا۔

یہ ایک دل ہلا دینے والی کہانی ہے۔ جب فرانسیسی الجیریا میں آوران نام کے شہر پر دفعتاً پلیگ کی خوفناک بیماری آئی۔ دولت اور عیاشی میں ڈوبے ہوئے باشندوں کا شیرازہ اس تباہی سے منتشر ہونے لگا۔ سارا شہر درد، تکلیف، آنسوؤں اور آہوں سے بھر گیا۔ اور اس حقیقت سے ان کی روح کرب کے عالم میں تڑپنے لگی۔ آدرزدیں دفن ہوگئیں۔ لیکن ..... مجرم کو تاریک جیل خانے کے خوف سے یہی چاہتا رہا کہ پلیگ کبھی ختم نہ ہو۔ اور اس کے برخلاف جین تارو ہے جو موت کے خلاف زندگی بھر جہاد کرتا رہا اور آخر کار پلیگ کے مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کرتا ہوا شہید ہوگیا۔ ذہن اور لسان انسانیت ڈاکٹر ریو ہے۔ جس نے پلیگ سے جنگ کی۔ اس میں وہ مفتوح ہوا لیکن پھر بھی ڈٹا رہا۔ اور ایک دن عقیدہ کے بل پر فتح حاصل کر ہی لی۔ اور اس پلیگ سے صرف اوران کے باشندوں کو ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کو ایک عبرت ناک سبق ملا۔

مکانوں اور گلیوں میں ہر سڑکوں چوہوں کی باریک چیخیں گونج سنائی جاتا۔ اور ان کے لال پھولوں کی طرح ادھر ادھر ننھی ننھی لاشوں کے ڈھیر لگنے سرزمین پر خوشحالی اور تہذیب کی کوکھ میں ازل سے سڑا ہوا باہر نکل رہا ہے۔ اور اس کی نہیں۔

ایجنسی نے اعلان کیا کہ دن بھر چوہے اکٹھے کیے گئے۔ لیکن چوہوں کا مرنا تیزی سے کم ہوتا حال شہریوں نے طمینان کا

"میں فوراً ہی آرہا ہوں"۔ ریو نے جواب دیا۔ انھوں نے سوچا مائیکل کو لوٹ کر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک تنگ بدبودار مکان کی سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے۔ گرینڈ نے آگے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کیا۔ وہ پچاس سال کا منحنی لمبا فذ کا ایک آدمی تھا۔

پتہ چلا کہ گرینڈ کے پڑوسی کوٹارڈ ( ) نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ جو ناکام ہوگئی۔ ریو اور گرینڈ جب کمرے میں داخل ہوئے تو کوٹارڈ کی طبیعت اتنی زیادہ خراب نہیں تھی۔ صرف اس کے چہرے پر کسی اندرونی کرب کے آثار تھے۔ اور شاید اسی وجہ سے اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ لیکن اب وہ زندہ تھا۔ اس پر اسے رنج تو نہیں تھا، ایک چڑھ سی ضرور تھی۔

کوٹارڈ کو انجکشن دے کر اور گرینڈ سے اس کی نگہداشت کرنے کے لیے کہہ کر ریو چلے گئے۔

گرینڈ نے بڑے جوش سے کہا ہاں..... ہاں ضرور آخر ہمارے پڑوسیوں کی خدمت کرنا ہی تو ہمارا فرض ہے"۔ اس وقت ریو نے اس کے ستے ہوئے چہرے پر ایک عجیب قسم کی چمک دیکھی۔

لوٹتے وقت ریو مائیکل کو دیکھنے کے لیے رکے۔ مائیکل درد سے تڑپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سوج گئیں تھیں اور پیاس بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ مائیکل کی بیوی کو ضروری ہدایات بتا کر چلے گئے۔

اپنے ایک ساتھی ڈاکٹر سے انھوں نے ٹیلیفون پر پوچھا کہ اس طرح کے بخار کا کوئی کیس ان کے پاس بھی آیا یا نہیں۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "نہیں" پھر جلد ہی جیسے اسے کچھ یاد آگیا اور وہ دوبارہ بولا "ہاں..... ہاں دو کیس میرے پاس آئے ہیں۔

رات میں مائیکل کی طبیعت اور بھی خراب ہوگئی۔ ڈاکٹر ریو مائیکل کو دیکھنے پھر آئے۔ اور یہ بھی کہہ گئے کہ جب ضرورت ہو فوراً فون کر کے ان کو بلا لیا جائے۔

دوسرے روز مطلع غبار آلود سا تھا۔ اور ہلکی ہلکی گرم ہوا چل رہی تھی۔ ریو کے دماغ پر سے بھی بار کم ہوگیا تھا۔ اور با امیدی دیاس کے کچھ چھائے بادل چھٹنے لگے تھے۔ بوڑھے مائیکل کا بخار بھی کم ہوگیا تھا۔ اور وہ مسکرا رہا تھا۔

مائیکل کی بیوی کے سوال کرنے پر ڈاکٹر نے کہا ابھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

دوپہر کو مائیکل کا بخار دفعتاً پھر تیز ہوگیا۔ اسے قے بھی ہونے لگی اور پھر سرسامی کیفیت طاری ہوگئی۔ گردن کی گلٹی کا درد بھی اور شدت اختیار کر گیا۔ اور آخر کار مائیکل کو اسپتال پہونچانا پڑا۔ ایمبولینس میں پڑا۔ راستہ بھر وہ بے ہوشی کے عالم میں یہی بڑبڑاتا رہا "یہ چوہے ..... کمبخت چوہے ..... اس کا چہرہ بدرنگ ہوگیا تھا۔ ہونٹوں کا سارا خون جیسے کسی نے نچوڑ لیا ہو۔ سانس بھی رک رک کر آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی وزنی بوجھ کے نیچے دب کر اس کا دم نکلا جا رہا ہو۔ مائیکل کی بیوی کا رو رو کے برا حال تھا۔...!!

کیا کوئی امید نہیں ماسٹر صاحب.....؟ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے پوچھا۔

ریو نے کچھ انداز سے سر ہلایا کہ اس کا دل دہل کر رہ گیا۔ مائیکل مر چکا تھا۔

اور اس طرح مائیکل کی موت کے ساتھ ایک باب ختم ہوا۔ خوف ناک اندازوں کا باب۔ اور دوسرے باب کا آغاز ہوا جس میں وہ اندازے اور گمان ٹھوس اور تلخ حقیقت کی شکل میں سامنے آنے لگتے ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ مرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ شروع میں کسی نے کوئی خاص خیال نہیں کیا۔ اور جب خیال ہوا بھی تو کافی دنوں تک سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ مرض کیا ہے.....؟ ریو کو اس بات کا خیال تھا کہ معاملہ پیچیدہ (سنجیدہ) ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے دوسرے ڈاکٹروں کی رائے بھی اس بارے میں معلوم کرنا چاہی۔ کہیں کوئی بھی یقین کیساتھ کچھ نہ کہہ سکا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی نادیدہ ہولناک سایہ چاروں طرف سے سمٹ کر پورے شہر کو اپنے خطرناک پنجوں میں دبوچے کیسے آگے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس گھبراہٹ کی وجہ سے اور اس کے خلاف متحد ہونے کے لیے شہر کے باشندوں میں ایک جوش سا جاگنے لگا۔

ریو کی فکر برابر بڑھتی جا رہی تھی۔ زیادہ تر مریضوں میں وہی نشانیاں پائی گئیں جو مائیکل میں تھیں۔ ریو نے دواؤں کی ایک دوکان پر یہ معلوم کرنے کے لیے فون کیا کہ اس طرح کی بیماری کا علاج کرنے کے لیے "سیرم" ان کے پاس کتنی تعداد میں ہے۔ جواب ملا کہ اس کی کمی ہے۔

اب صرف ایک ہی چارہ تھا۔ ریو نے گلٹیوں کو چاقو سے کاٹنا شروع کر دیا۔ ان میں سے خون اور مواد نکلنے لگا۔ مریض اپنے اعضا کو درد کی شدت سے دور تک پھیلاتے۔ خون اور مواد بہتا رہتا، زیادہ تر مریض اس سڑاند اور گندگی سے مر بھی جاتے۔

حکام شہر بھی فکر مند ہونے لگے۔ ڈاکٹروں کی میٹنگ بلائی گئی کافی بحث ہوئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے سب کے ہونٹوں پر ایک ہی لفظ ہو لیکن جیسے منہ سے باہر نکالنے پر سب ہی خوف زدہ ہیں۔

ڈاکٹر ریو اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے، سڑکوں پر زندگی کا وہی رقص، لامتناہی قطاریں، کھڑکی میں کھڑے ریو کو پلیگ کے تمام تاریخی واقعات یاد آنے لگے۔ جن کے بارے میں انہوں نے پڑھا تھا۔ لندن کی طاعون کی تباہی، پیرس کے پلیگ کی وبا۔ اور قسطنطنیہ کا پلیگ۔ جن میں مکمل آبادیاں کی آبادیاں ختم ہو چکی تھیں۔ کتنی وسیع تھی وہ تباہی!! کیا ایسا ہی یہاں پر بھی ہوگا۔۔۔؟؟ وہ لرز گئے۔

اس وقت صرف سچائی کو قبول کرنے کی صورت میں ہی تباہی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر یہی سوچ رہے تھے کہ گرینڈ کمرے میں آیا۔ وہ دفتر سے یہیں آ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی بتایا کہ پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں گیارہ آدمی مر چکے ہیں۔

ریو نے ایک لمحہ اس کی طرف دیکھا اور پھر بولے "کیا ہی اچھا ہوتا اگر ہم اس بیماری کے بارے میں ایک متفقہ فیصلہ کر کے اسے اس کی صحیح شکل میں مان لیتے۔ اب تک کی یہ چشم پوشی اور ڈھیل اچھی نہیں۔ میں تجربہ گاہ جا رہا ہوں، چلو گے میرے ساتھ۔؟

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی بھی شے کو اس کے صحیح نام سے پکارا جائے۔۔۔۔ لیکن آپ کے خیال میں یہ بیماری ہے کیا۔۔۔۔؟؟ گرینڈ نے سوال کیا۔

"یہ تو میں نہیں بتاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر معلوم کر کے تم کو فائدہ بھی کیا ہوگا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

گرینڈ مسکرا دیا اور بولا "تو پھر دیکھئے نا۔۔۔۔۔۔ سچ بات کہہ دینا اتنا آسان بھی تو نہیں۔"

سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے گرینڈ نے کہا وہ تجربہ گاہ نہیں جا سکے گا۔ کیونکہ اسے گھر پر کافی کام ہے۔ اور جو ہمیشہ ہی رہتا ہے۔ اور بغیر یہ بتائے کہ وہ کام کیا ہے۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔

دوسرے روز ڈاکٹر ریو نے میونسپلٹی کے چیرمن پر زور ڈال کر ڈاکٹروں کی ایک اور میٹنگ کروائی۔ تقریباً سب ہی ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ اس قدر ناامیدی اور پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں، سب کچھ جلد ہی آپ ہی آپ ٹھیک ہو جائے گا۔ اور جلد بازی میں کوئی بھی قدم اٹھانا مناسب نہیں رہے گا۔ لیکن ڈاکٹر ریو اس بات پر زور دے رہے تھے کہ معاملہ کی پیچیدگی پر غور کر کے اور بیماری کی ایک خاص شکل قائم کر کے، بچاؤ کے بہتر سے بہتر ذرائع اور سخت سے سخت کارروائی پر ڈٹا جائے۔ ورنہ تقریباً نصف سے بھی زیادہ آبادی کا ناس ہو جائے گا۔ لیکن اس دن بھی کوئی بات طے نہ ہو سکی۔

لیکن سچائی سے منہ موڑ کر سچائی کی حقیقت پر پردہ تو نہیں ڈالا جا سکتا۔ چند ہی روز میں مرنے والوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا۔ کسی بڑی تباہی کا زہر تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔

ریو نے پھر چیرمین کو فون کیا۔ اب تک ان کے ہاتھ پاؤں بھی پھول چلے تھے۔ لیکن اپنی ذات پر کوئی آنچ نہ آنے کی وجہ سے انھوں نے کہا کہ وہ مرکزی حکومت کو تمام باتوں سے آگاہ کرنے کے لیے اس کی ہدایت کا انتظار کریں گے۔ اس بات چیت کے کچھ ہی گھنٹوں بعد چیرمین نے ریو کو اپنے دفتر بلا کر ایک تار پڑھنے کو دیا۔ جو مرکزی حکومت کی جانب سے تھا۔ تار میں تھا۔

"پلیگ کا اعلان کر دو اور شہر کے دروازے بند کر دو۔"

شہر کے خاص دروازے بند کر دیئے گئے۔ بیرونی دنیا سے رابطہ ٹوٹ گیا۔ کسی کا باہر جانا یا شہر کی حدود میں داخل ہونا منع قرار دیدیا گیا۔ شہر کے لوگوں پر اس کا عجیب اثر پڑا۔ وہ اس بات کے لیے بالکل تیار نہ تھے پھر بھی وہ یہی سوچتے رہے کہ یہ بات عارضی ہے۔ ابھی جن لوگوں سے ملنے کو منع کر دیا گیا ہے۔ ان سے وہ جلد ہی پھر مل سکیں گے۔ لیکن اچانک ہی بغیر کسی اطلاع کے جب ایک غیر متعین عرصہ کے لیے

انہیں اپنے پرانے شناساؤں سے، تمام دنیا سے علیحدہ کر دیا گیا۔ تو وہ بوکھلا اٹھے ملاقات کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

جب اس بات کو کافی دن گذر گئے تو لوگوں نے چیرمین کے دفتر کے آگے بھیڑ لگا کر اس بات پر احرار شروع کر دیا کہ ان میں سے ہر ایک کی بات کو ذاتی طور پر اہم سمجھ کر انہیں شہر سے باہر جانے کی اجازت دی جائے۔ آخر ان کی بیوی یا محبوبہ، شوہر یا محبوب، والدین یا اولاد ان سے دور تھے۔ اور یہ ان کے جذبات کی توہین تھی۔ موت تھی۔ اگر اس طرح انہیں یہاں بند کر کے رکھا جائے۔ لیکن سچائی کے سامنے ہمیشہ جذبات نے ہتھیار ڈالے ہیں۔ اور یہاں بھی اس سے کوئی مختلف بات نہیں ہوئی۔ چیرمین کے حکم کے سامنے ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔

آغاز پلیگ کے دنوں میں زندگی کی عام رفتار بالکل درہم برہم ہو گئی تھی۔ ایک شدید بے حسی نے لوگوں کو جکڑ لیا تھا کیونکہ یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی تھی کہ تباہی کب تک جاری رہے گی۔ اس لیے پبلک دل وغیرہ پر کنٹرول کر دیا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسری اشیاء پر بھی۔ سڑکیں سنسان نظر آتی تھیں۔ موٹروں کا آنا جانا اور آدمیوں کا رش ختم ہو گیا تھا۔ اور صرف ٹراموں کی گھڑگھڑاہٹ یا مریضوں اور لاشوں کو لے جانے والی ایمبولینس گاڑیوں کی آواز ہی سنی جا سکتی تھی۔

جلد ہی چیرمین نے کنٹرول اور سخت کر دیا۔ شہر پناہ کے دروازوں پر پہرہ اور بڑھا دیا گیا کیونکہ یہ خبر ملی تھی کہ کچھ لوگوں نے نکل بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ آخر کار موت کی ہولناک تباہی کے سائے میں اور ناامیدی و یاس کے احساسات کو سینے میں دبائے۔ لوگ ایک ایک لمحہ کو ایک ایک صدی مان کر جینے کی امنگ میں مست ہو گئے۔ سینما ہالوں میں لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی، ہوٹلوں اور کیفوں میں لوگ زیادہ دیر تک اور زیادہ دلچسپی کے ساتھ بیٹھنے لگے۔ شراب نوشی پھر بڑھنے لگی اور اکثر یہ دیکھا جانے لگا کہ رات کے دو دو بجے اور تین تین بجے شراب کے نشے میں رہت لوگ ہوٹلوں سے لڑکھڑاتے ہوئے نکل کر سنسان اور ویران سڑکوں پر زور زور سے پرامید نعرے لگا رہے ہیں۔ دوکان دار مال بچا بچا کر رکھ رہے تھے تاکہ وہ اس کو گراں سے گراں قیمت پر فروخت کر سکیں۔

اور رفتہ رفتہ ایک وسیع گورستان بنتا جا رہا تھا۔ چوبیس گھنٹے ایمبولینس ادھر سے ادھر بھاگتی دکھائی دیتیں۔ یا تو مریضوں کو ان کے گھروں سے اسپتال لیجانے کے لیے یا پھر..... لاتعداد مردوں کو قبرستان میں دفن کرنے کے لیے۔ ڈاکٹر رکیو دن رات مشغول تھے۔ صبح سے شام تک مریض ان کے پاس لائے جاتے اور وہ ان کا علاج کرنے کی ناکام کوشش کرتے اور اس کے بعد..... مردوں کو دفنانے کے لیے بھیجا جاتا۔

ریو کے ساتھ ہی ساتھ کچھ اور لوگ بھی مشغول ہوتے جا رہے تھے، ان میں سے جوزف گرینڈ بھی ایک تھا۔ مریضوں اور مرنے والوں کے اعداد و شمار جمع کرنے میں اس کا زیادہ سے زیادہ وقت لگنے لگا۔ صرف کوٹارڈ ہی ایک ایسا شخص تھا جو تباہی میں اضافے کے ساتھ ساتھ اور زیادہ خوش رہنے لگا تھا۔ اور پینے بھی لگا تھا۔

ان دنوں کوٹارڈ اتنا خوش معلوم ہوتا تھا جتنا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ دوسری جانب بوڑھے کا پہلے ہی سے تھکا ماندہ جسم تکان سے اور اتنا زیادہ چور ہو جاتا کہ اسے وہ اپنا شام والا مزدوری کام کرنے میں بھی دقت ہوتی۔ لیکن اس کے پاس کبھی الفاظ نہیں رہتے تھے۔ اپنی بات ظاہر کرنے کے لیے اور اس سے وہ اب بھی خاموش تھا۔ اور اس وقت بھی اس پر خاموشی ہی طاری رہی تھی۔ جب اس کی بیوی برسوں تک باہمی زندگی گذارنے کے بعد اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ کیونکہ گرینڈ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ محبت کا انجام شادی ہونے کے بعد اس بندھن کو برقرار رکھنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔

یہ اضطراب اور یہ جوش ابھی رابرٹ میں باقی تھا۔ اور پلیگ کے سبب اس شہر میں قید ہو جانے پر وہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس سے سیکڑوں میل پیرس میں اس کی محبوبہ اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اور رابرٹ کا اس سے ملنے جانا نہایت ضروری تھا۔ لیکن ضمیر کی آواز پر وہ چونک پڑا۔ کیا اخباری نمائندہ ہونے کے ناطے اس شہر میں رہ کر حالات کا جائزہ لے کر اس کے لیے ضروری نہیں ہے..... ؟؟ ہمیں۔ نمائندگی زندگی کی دوسرے درجے کی ذمہ داری اور اس کی پہلی ذمہ داری اپنی محبوبہ کے لیے ہے۔ دل نے ضمیر کو للکارا۔ اور آخر دل جیت گیا۔ رابرٹ نے تمام حکام سے یہ بات کہی کہ اسے شہر چھوڑ کر جانے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن کسی نے اسے ٹال دیا۔ اور کسی نے سختی سے منع کر دیا۔ آخر کار وہ ڈاکٹر ریو کے پاس

آیا کہ وہ اسے یہ سرٹیفکیٹ دے دیں کہ وہ بالکل اچھا ہے۔

"لیکن میں تمہیں یہ سرٹیفکیٹ دے سکتا ہوں اور نہ دوں گا۔" ریو نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"مگر کیوں؟ میرا اپنی محبوبہ سے ملنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اس شہر سے، یہاں کے لوگوں اور ان کی عیبتوں سے میرا کیا تعلق؟ میں بیرونی باشندہ ہوں.....

اس وقت کوئی باہر سے آیا ہوا نہیں ہے۔ پلیگ نے ہر شخص کو ایک ہی رشتہ میں باندھ دیا ہے اور تم چاہتے ہوئے بھی اس سے اپنے آپ کو علیحدہ نہیں کر سکتے۔ ریو نے رابرٹ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

رابرٹ کو غصہ آگیا۔ وہ بولا آپ کے دل میں جذبات مردہ ہو چکے ہیں۔ اور صرف جذبات ہی ایک ایسی سچائی ہے جس سے آپ کوسوں دور ہیں۔ بناوٹی اور مصنوعی اصولوں نے آپ کو اندھا کر دیا ہے۔"

رابرٹ کو یہ بات کب معلوم تھی رئیو کی بیوی جسے وہ بیحد چاہتے ہیں میلوں ان سے دور ہے لیکن پھر بھی وہ ذاتی مرض کے لیے عام ذمہ داری کی قربانی نہیں دے سکتے تھے۔

صبح ریو کے منہ سے اچانک ہی نکلا۔"

جی ہاں۔ اور مجھے یہاں سے جانے میں کوئی نہیں روک سکتا۔"

اس نے ایک عزم سے جواب دیا۔ خدا تمہاری آرزو پوری کرے۔

ریو نے کہا۔ رابرٹ چلا گیا۔ اور ریو اسپتال میں داخل ہوئے۔

آنے والے دن اپنے ساتھ تباہی پر خوفناک سود بڑھاتے گئے بچاؤ کی ساری تراکیب کے باوجود وبا پھیلتی ہی جا رہی تھی۔ ریو گرینڈ اور ان سب لوگوں کو دم لینے کی بھی فرصت نہ تھی جو پلیگ کے خلاف جنگ آزما تھے۔ ایک ہفتہ کے اندر پانچ سو سے زیادہ اموات کا اوسط تھا۔ اور سب سے خوفناک بات یہ تھی کہ جس شہر میں اس کے باشندوں کے رہنے کے لیے کافی جگہ تھی اسی میں اس شہر کے مردوں کے لیے جگہ کی کمی پڑتی جا رہی تھی۔ شروع شروع میں لوگ نہایت مناسب تابوت ایک ساتھ ہی دفنائے جانے لگے۔ اور پھر سارے قبرستان بھرنے لگے۔ چار پانچ تابوت ایک ساتھ ہی دفنائے جانے لگے۔ اور آخر ایک وقت ایسا آیا کہ پادری کی آخری رسوم ادا کرنے کی ذمہ داری کو بھی ختم کر دینا پڑا۔ اور پھر حالت یہ ہو گئی کہ سرکاری حکم کے بموجب مرنے والوں کے رشتہ داروں کے وہاں آنے پر پابندی لگ گئی۔ منتشر لاشیں درجنوں کی تعداد میں رات کی تاریکی اور گمنامی میں دفن کیجانے لگیں۔ اور انسان اپنی بے بسی کا تماشا دیکھتا رہا۔ انسانی دماغ چیخنے لگا۔ اور دل شکستہ ہو گیا۔

ڈاکٹر ان الم ناک دنوں میں تین شفاخانوں کا کام سنبھال رہے تھے۔ ایک صبح سے دوسری صبح تک ایمبولینس گاڑیاں تانتا توڑے بغیر مریضوں کو درجنوں کی تعداد میں لاتی رہتیں۔ اور پھر تمام علاج و تراکیب کے باوجود اسی طرح لاشوں کو بھر کر اس جگہ لے جاتیں جہاں اب دفنانے کی جگہ "نہ باقی نہیں بچی تھی اور لاشوں کی ایک بڑی تعداد ایک ساتھ ہی جلا دی جاتی" ریو اس غیر معمولی تکان اور اس شدید شکست کا کوئی احساس نہ تھا۔ سیکڑوں لوگوں کے ایک ساتھ مرنے پر اس بات کو محسوس کرنے کے لیے فرصت ہی نہیں تھی۔ صرف اس روز جب شام کو ان کی والدہ نے ان کی بیوی کا تار ان کو دیا تو تار پکڑتے ہوئے ڈاکٹر ریو کے ہاتھوں میں رعشہ کی کیفیت طاری تھی۔ ماں نے جب اس متعلق معلوم کرنا چاہا تو ریو نے ٹالتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی خاص بات نہیں، آہستہ آہستہ عادت پڑ جائے گی تو سب اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"جو زندہ ہے اسے موت کی عادت پڑنے میں وقت تو درکار ہوگا ہی۔

ریو کو رابرٹ کی وہ بحث یاد آگئی۔ رابرٹ نے تکلیف اور درد، رنج، غم، الم اور موت کی توہین کر کے خوشی اور ہمدردی پر یم اور زندگی کی

ڈاکٹر کیسٹل کی بنائی ہوئی نئی دوا "سیرم" پہلی بار پلیگ کے خلاف آزمائی گئی۔ لیکن وہ زندگی میں چند لمحوں کے ساتھ اضافہ کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکی۔

پلیگ کا ماتم شہر کے ہر گلی کوچوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اور جب اس کا سایہ ہٹا تو تار و بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا۔ اب ریو کے لیے یہ دنیا بالکل سنسان تھی۔ اس طرح طاعون کی اس خوفناک تباہی کا خاتمہ تو ہوا، لیکن ریو..... اس کے لیے اب اس زندگی اور دنیا میں کیا رہ گیا تھا.....؟؟؟

خواہش کی تھی۔ اور یہ انتخاب صحت مند رجحانات رکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے فطری تھا۔

جب ہر طرف مصائب و آلام اور رنج و غم کے بھیانک سائے ہوں تو مذہب لوگوں کے لیے ایک بار پھر زندہ ہو جاتا ہے۔ تکلیف اور تباہی کے گھٹے ہوئے ماحول سے بچنے کے لیے انہیں مذہب کی خوش گوار اور حیات پرور دھوپ چاہیئے۔ گہری تاریکی میں اطمینان بخش روشنی پھیلانے کے لیے مذہب کے چراغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آدرن پر آئی ہوئی اس خوفناک تباہی کو دور کرنے کے لیے بھی دعائیں ہونے لگیں۔ پادری پینی لو نے سب لوگوں کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کیا۔

"میرے بھائیو! یہ مصیبت جو تمہارے اوپر آئی ہے، ایک طرح تم اس کے حق دار بھی تھے۔ خدا تعالیٰ کی مرضی اور احکام کے خلاف جو کام ہوئے ہیں اس کی سزا ملنا ضروری ہے۔ توبہ کے آنسوؤں سے ہی گناہ کے دھبے مٹائے جا سکتے ہیں۔ اور توبہ کرنے کی جرأت اور صلاحیت آج تم میں نہیں۔ اسی لیے قدرت تم کو یہ سزا دینے کے لیے مجبور ہو گئی۔ گناہ نا انصافی اور ظلم کا سر کچل دینا ضروری ہو گیا۔ ہستی اس سے زیادہ اور دراز نہیں کی جا سکتی۔ یہ مصیبت اور تباہی جو آج تمہارے اوپر آئی ہے وہ صرف عذاب خداوندی ہی نہیں بلکہ گناہ اور نا انصافی کو ختم کرنے کے لیے ایک تباہ کن ہتھیار بھی ہے۔ جو جھوٹا ہے، گنہگار ہے، مکار ہے وہ اس تباہی کی آگ سے نہیں بچ سکتا۔ وہ اس میں جل جائے گا تاکہ سچائی اور پاکیزگی زندہ رہ سکے اور نکھر سکے۔ ....."

فادر پینی لو کی بات کچھ لوگوں کی سمجھ میں تو آئی اور کچھ لوگوں نے اس کا کوئی خاص خیال نہیں۔ پولیس مجسٹریٹ لوسیوا دھنوں کو فادر پینی لو کی باتیں مکمل سچائی پر مبنی معلوم ہوئیں۔ ڈاکٹر ریو نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

لیکن رابرٹ اپنے خیالات کے بارے میں مکمل طور پر یقین کیے ہوئے تھا۔ بار بار وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا۔ "میرا فیصلہ اٹل ہے" اور جیسے جیسے وہ یہ بات دہراتا جاتا اس کا اضطراب بڑھتا جاتا۔ اور اس اضطراب کا نتیجہ ایک کمزور امید بن کر مضبوطی اختیار کرتا جاتا۔ تاریکی میں بار بار اس کی محبوبہ کا رنگین اور چمکدار ہیولا ابھرتا اور وہ اس کو اپنی باہوں میں بھر لینے کے لیے بے چین ہو جاتا۔ مجھے اپنی زندگی سے دور یہاں پر قید رکھنے کا اختیار کسی کو نہیں۔ یہ ظلم ہے، سراسر نا انصافی ہے۔ رابرٹ کی روح میں فریاد کا زہر گھلنے لگا لیکن شاید اسے معلوم نہیں تھا کہ کسی بھی چیز کے آخری لمحوں میں سچائی کی ٹھوس حقیقت کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ اس کے سامنے کسی بھی جذبہ کی قدر نہیں۔ سچائی بہر حال سچائی ہے۔ خواہ وہ انصاف کے بارے میں ہو یا نا انصافی کے لیے، محبت کے لیے ہو یا نفرت کے لیے، موت سے متعلق ہو یا زندگی سے۔ ان دنوں راتوں میں رابرٹ کی محبوبہ اس کے خوابوں میں محو خرام ناز ہوتی لیکن جب آنکھ کھلتی تو بے بسی کا اس کا دل گھٹ کر رہ جاتا۔ اور دل کی گھٹن، خدا کی پناہ .....!!! دن میں سنسان سڑکوں کے چکر لگاتا ہوا اسٹیشن تک جاتا جہاں اب کوئی بھی گاڑی نہیں آتی تھی اور نہ جاتی تھی۔

آفتاب کی تپش، حدت اور اس وبا کی ہیبت ناک تباہی نے شہر کی ساری سڑکیں جلا کر خاک کر دی تھیں۔ ساری خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ اتنے دن گذر جانے کے بعد اب شہر کے لوگ بھی اپنی اس تباہ و برباد اور خوفناک حالت کے عادی ہو چکے تھے۔ اسلیے اب ان کے دلوں میں خوف کی جگہ پلیگ کے شکست خوردہ لوگوں جیسی اداسی آ گئی تھی۔ تاروتے اپنی ڈائری میں لکھا۔ "شہر کے باشندے اب اس پلیگ کے عادی ہو چکے ہیں۔ کوئی شخص بھی ہنستا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ جب تک کہ اس نے حد سے سوا پی نہ لی ہو اور زیادہ تر لوگوں کے لیے تو یہ سارے مصائب، تکالیف اور حتیٰ کہ موت تک بھی معمولی باتیں بن چکی ہیں۔

پلیگ کا آغاز ہوئے تین ماہ سے زائد عرصہ گذر چکا تھا۔ ڈاکٹر ریو کے گھر اس دن تاروتان سے ملنے کے لیے آنے والا تھا۔ کمرے میں ریو اور ان کی والدہ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ ضعیف ماں کی پوری توجہ اس مصیبت اور تباہی کے دوران ڈاکٹر ریو پر مرکوز ہو گئی تھی۔ ان کی زندگی کا آرزوؤں اور تمناؤں کا غرض کہ ہر چیز کا انحصار ڈاکٹر ریو پر تھا۔ اور دنیا کی کوئی بھی شے ان کو اس طرف سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ ڈاکٹر ریو اپنی ماں کے ساتھ اطمینان بخش، سنجیدہ اور شفقت آمیز چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اور اس سے انہیں بہت سکون حاصل ہو رہا تھا۔ اچانک ماں

نے سوال کیا "کوئی اطلاع آئی بہو کے پاس سے؟

ہاں ابھی حال ہی میں جو تار آیا تھا اس کے مطابق وہ اب پہلے سے بہت اچھی ہیں، لیکن میں خوب جانتا ہوں یہ اس لیے لکھا گیا ہے کہ میں فکر مند نہ ہوں۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی اور فوراً ہی لمبا چوڑا تارو کمرے میں داخل ہوا۔ تارو یہ تجویز لے کر آیا تھا کہ پلیگ بہت پھیل چکا ہے۔ اور کام نبٹانے کے لیے رضا کاروں کی بھرتی کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

مجھے اس بات سے سخت نفرت ہے کہ لوگوں کو بے بسی کی حالت میں موت کے حوالے کر دیا..... اور اسی لیے میں یہ رضا کاروں کی پارٹی بنانا چاہتا ہوں۔ تارو نے کہا۔"

ریو نے تارو کے پُرعزم اور تقریباً" جذبات سے عاری چہرے کو ایک لمحہ کے لیے دیکھا۔ اور پھر بولے "آپ نے یہ سوچ لیا ہے کہ ایسا کرنے میں ذاتی طور سے آپ کو کتنا خطرہ ہے؟

جین دارد کو سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کبھی بچپن میں اس نے اپنی والد کی کچہری میں ایک ایسے شخص کو دیکھا تھا جسے سزائے موت دی جا رہی تھی۔ ننھے تارو کو یہ تو نہیں معلوم تھا کہ آیا اس مجرم نے واقعی یہ جرم کیا ہے یا نہیں۔ اس کے ذہن پر تو صرف اس مجرم کا سہما ہوا اور خوف زدہ چہرہ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا اور اس نے اسی وقت سے یہ طے کر لیا تھا کہ جرم خواہ کچھ بھی ہو کسی شخص کو سزائے موت دینا ناانصافی ہے۔ چاہے مفعف انسان ہو یا خدا۔ اور اس کی ساری زندگی اس ناانصافی کے خلاف جدوجہد میں ہی صرف ہوئی تھی لیکن آج تک اسے یہ اطمینان نہیں ہوا کہ عدل حقیقی معنوں میں ہو رہا ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہر قدم پر ناانصافی انسان کے بھیس میں تھی۔ اور مختلف اصولوں کے نام پر انسان کو موت کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ یہ کیسا اندھیرا ہے۔ یہ تاریکی کیوں چھاتی رہی ہے۔ ضمیر کی شمعیں بجھ گئیں۔ دل کے چراغ ٹھنڈے ہو گئے۔ کوئی شعلہ طور سے ہی رہبری کرو! اس لیے فادر پینی لو کے کہنے کے مطابق اور ان کے لوگوں پر جو یہ عذاب خداوندی نازل ہوا تھا اس کے خلاف بھی تارو جدوجہد کر رہا تھا۔ اور پلیگ سے لڑائی لڑنے اور اس پر فتحمندی حاصل کرنے کے لیے وہ سب کچھ کر گذرنے کو تیار تھے۔

اس وبا نے مجھے صرف ایک ہی بات سکھائی ہے۔ تارو نے کہا "اور وہ یہ کہ ہمیں اس کا خاتمہ کرنے کے لیے باطنی طور پر کام کرنا ہے۔ ہم سب کے اندر پلیگ کا دیو موجود ہے۔ ہم سب مریض ہیں اور ساری دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو اس بیماری سے الگ ہو اس لیے متحد ہو کر اس کا مقابلہ کرنا ہمارا پہلا فرض ہے۔ ڈاکٹر ریو اور تارو نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر اس بات کا وعدہ کیا اور رضا کاروں کا گروہ بنانے کی بات پکی ہو گئی۔

رضا کاروں کی پارٹی میں اور لوگوں کے ساتھ ہی ساتھ جوزف گرینڈ بھی شامل ہو گیا۔ گرینڈ کی اپنی کوئی سماجی پوزیشن نہیں تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کا تھکا ماندہ شخص ماضی کی تلخ و شیریں یادوں کو سینے میں چھپائے اس بات چیت کے سمندر میں خاموشی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ وہ اپنے کلوتے کمرے میں بیٹھا نہ جانے کب سے اس ناول کی پہلی ہی سطر بار بار لکھ رہا تھا۔ جس میں اس کے اندرونی کرب کو ایک خاموش زبان مل گئی تھی۔

تارو، رابرٹ سے بھی اس پارٹی میں شامل ہونے کے لیے اصرار کر رہا تھا لیکن رابرٹ نے جواب دیا کہ اس شہر کے مصائب سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ اور اس کے علاوہ وہ یہاں سے جانے والا بھی ہے۔ ریو نے جب رابرٹ کے جانے بات سنی تو انھوں نے رابرٹ کو نیک خواہشات کا تحفہ دیا۔ رابرٹ کو اس بات پر بہت تعجب ہوا۔ اس نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ میرا یہاں سے جانا یا نہ جانا کی کوشش کرنا غیر قانونی ہے پھر بھی آپ روکنے یا رکوانے کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ نیک خواہشات کا اظہار ہی کرتے ہو۔

ڈاکٹر ریو زیر لب مسکراتے ہوئے بولے "تم نے خوشی کا انتخاب کیا ہے اور ایک انسان ہونے کے ناطے یہ تمہارا حق بھی ہے اس لیے یہ کسی بھی طرح غیر قانونی نہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔

رابرٹ کے ذہن میں ریو کی بات چکر لگاتی رہی لیکن پھر بھی کسی قیمت پر اور ان سے باہر نکل کر اپنی محبوبہ سے قریب ترین ہو جانے کی خواہش

میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اور ان ہی کوششوں میں وہ مصروف بھی رہا۔ اس نے حکام کو پھر درخواستیں دیں۔ لیکن پھر پہلے ہی کی طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایک روز اس کی ملاقات کوٹارڈ سے ہوگئی۔ اس نے رابرٹ سے کہا وہ نکلنے کا راستہ بتا سکتا ہے اس کے لیے یہ بات کہہ دینا ممکن بھی تھا کیونکہ کوٹارڈ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں پلیگ سے فائدہ ہی ہوا تھا۔ اس کے ایک ایسے جرم پر پردہ پڑا تھا کہ پولیس اسے کسی وقت بھی وہ راز معلوم ہو جانے پر گرفتار کر سکتی تھی۔ کوٹارڈ پلیگ سے زیادہ گرفتاری سے خوف زدہ تھا۔ لیکن حکام شہر کو پلیگ کی وجہ سے کوٹارڈ اور اس کے جرم کا ذرا بھی احساس نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے اس کی آزادی برقرار تھی۔ دوسرے اس وقت شہر میں عام استعمال کی اشیا کی کمی پڑ گئی تھی اور کوٹارڈ اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو مال چوری چھپے شہر میں برآمد کیا کرتا (لایا کرتا تھا) اس میں اسے خاصا مالی منافع بھی ہو رہا تھا۔ اور اس کے اندر خوف کی جگہ ایک نئی خود اعتمادی نے لے لی تھی۔

اس وجہ سے جب کوٹارڈ نے رابرٹ کو اشارتاً سمجھایا کہ اس کے چھپ کر اور ان سے باہر جانے کا انتظام ہو سکتا ہے تو اس کو بہت تعجب ہوا اور اس نے پوچھا کیا سچ مچ یہ ممکن ہے؟ تمہیں پورا یقین ہے۔؟؟

"بالکل ..... اور ایک دوست ہونے کے ناطے میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا۔ آخر جذبات کی بھی کوئی قیمت ہوتی ہے۔ چلو، میرے ساتھ"

اور رابرٹ نے محسوس کیا کہ اس دوزخ میں اس کی بات سمجھنے والا کم از کم ایک آدمی تو ہے۔ وہ کوٹارڈ کے ساتھ ہو لیا۔ وقت دوپہر کا تھا اور سورج کی تمازت بہت تیز تھی۔ سڑکیں تقریباً خالی تھیں جیسا پلیگ کے دنوں ایک عام قاعدہ سا بن گیا تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد کوٹارڈ اور رابرٹ ایک ریسٹوران میں داخل ہوئے۔ یہ جگہ بندرگاہ سے کافی قریب تھی۔ ریسٹوران کی تقریباً سب ہی میزیں خالی تھیں اندر کی گرم خاموشی میں مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ گندک کے رنگ کے پنجرے میں ایک مریل سا طوطا تھا جو ان دونوں کے اندر داخل ہوتے ہی زور زور سے چلانے لگا۔ ریسٹوران کا مالک چیخ رہا تھا۔ آواز سن کر اٹھا۔ وہ کوٹارڈ سے واقف تھا وہ قریب آیا تو کوٹارڈ نے پوچھا "ہے"؟

"کہہ نہیں سکتا" ریسٹوران مالک کا مختصر جواب تھا۔

"ہوں ..... میں اپنے ان دوست کو ملانا چاہتا تھا۔"

"تو یہ بھی دھندے کے آدمی ہیں!!"

"ہاں!"

اچھا شام کو آئیے گا۔"

شام کو رابرٹ اور کوٹارڈ پھر آئے اس وقت کچھ لوگ ریسٹوران میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے رابرٹ کی جانب غور سے دیکھا۔ اتنے میں ہی ایک تگڑا مضبوط سا آدمی کرسی سے اٹھ کر کوٹارڈ سے مخاطب ہوا۔ "ہوا! چلو باز کی طرف چلا جائے۔"

تینوں کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر اسی شخص نے جس کا نام گرسیو تھا کہا چلو پھر باہر چلا جائے۔ تینوں باہر آگئے۔ یہاں آکر کوٹارڈ نے گرسیو کو رابرٹ کی شکل سے آگاہ کیا۔ اور پھر یہ طے پایا کہ دس ہزار میں رابرٹ کا کام ہو جائے گا اور روپیہ جانے کے وقت دیا جا سکتا ہے۔ گرسیو نے رابرٹ کی ملاقات ایک اور شخص گونزالز سے کرائی۔ گونزالز نے رابرٹ کو دو اسپینی نوجوانوں سے ملایا۔ یہ دونوں بھائی بھائی تھے اور شہر کے ایک دروازے پر پہرہ دار تھے۔ انہوں نے رابرٹ کو بتایا کہ ان کے پہرے کی باری ایک ہفتے بعد آئے گی اور وہ انہیں اس سے ایک روز پہلے پرانے اسکول کے پاس ملے۔ رابرٹ نہایت خوشی کے ساتھ ان سے رخصت ہوا۔

ان سب باتوں میں تین چار روز لگ گئے۔ جب رابرٹ نے گونزالز سے کہا دیر ہو رہی ہے تو گونزالز نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا ایسے کاموں میں دیر تو لگتی ہی ہے۔

رابرٹ نے کام کو منع نہ کیا جانے کی وجہ سے جلدی سے کہا "ہاں! ہاں! دیر تو ضرور لگتی ہوگی؟۔

جب رابرٹ واپس لوٹ رہا تھا تو اس نے دیکھا تارو اور ڈاکٹر ریوکار میں آ رہے ہیں۔ وہ خود خوشی سے اتنا مست تھا کہ اسے کسی سواری کا خیال بھی نہ آیا۔ اور وہ پیدل ہی چل پڑا تھا۔ تارو نے کار روک لی اور اس سے کار میں بیٹھنے کو کہا۔ راستے میں تارو نے اس سے پھر کہا کہ وہ رضاکاروں کے اس گروہ میں شامل کیوں نہیں ہو جاتا؟

رابرٹ نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا کہ ایک ہفتہ کے اندر وہ وہاں سے چلا جائے گا۔ اور اس کا پارٹی میں شامل ہونا ناممکن ہے۔ وہ اپنی اس نئی خوشی میں ان لوگوں سے جلد ہی رخصت ہو کر چلا گیا۔

ہوٹل پہنچ کر اس نے اس خوشی کو پورے طور سے منانے کے لیے مے نوشی کی اور محبوبہ سے ملنے کی مسرت اور شراب کے نشے میں مست وہ اپنے کمرے میں پہنچا۔ کافی دیر تک اسے نیند نہیں آئی۔ وہ اپنی محبوبہ سے تصور میں ہی ملتا رہا اور دل ہی دل میں روٹھی محبوبہ کو منانے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ جب وہ اس سے اتنے دن دور رہنے کی شکایت کرے گی تو اسے بانہوں میں کس کر اتنا پیار کروں گا اتنا پیار کروں گا کہ وہ بوسوں کی شدت اور گرمی میں اپنی شکایت بھول جائے گی .....

> وبا کی تباہی سے وہ سارا شہر چلا اٹھا ..... اور رابرٹ نے دیکھا کہ اس وارڈ کے اندر ایک دم گھونٹ دینے والا دھند لکا ہے۔ مریض چارپائیوں پر پڑے چیخ رہے ہیں۔ تمام جگہ دوزخ کی طرح ہو رہی ہے۔ اور ان کے درمیان صرف ڈاکٹر ریو کپڑا باندھے دیکھ بھال اور علاج کرتے پھر رہے ہیں بسلتی اور دم توڑتی زندگی کو بچانے کی کوشش میں مصروف ہیں ..... ایسے وقت .....

لیکن یکایک اس کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنی محبوبہ کا چہرہ بھول گیا ہے جیسے اچانک کسی آدمی کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں۔ اور اس کے لیے دنیا کی ہر چیز پر اندھیرا چھا جائے۔ اس نے چہرے کو یاد کرنے کی لاکھ کوشش کی لیکن سب بے سود ہر بار کوشش کرنے پر اس کے تخیل میں ایک دھندلا دھندلا سا سایہ ہی ابھر تا رہا اور اس کے ساتھ اس کی جھنجلاہٹ بھی بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ اس بے بسی اور جھنجلاہٹ کے عالم میں تمام رات ہی خوابی میں گذر گئی۔

آخر وہ دن بھی آ پہنچا جب اسے ان دونوں بھائیوں سے پرانے اسکول کے پاس ملنا تھا۔ بڑی آرزو اور مسرت کے ساتھ وہ وہاں پہنچا۔ لیکن طے شدہ وقت کے کافی دیر بعد ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں نہیں آیا۔ بھنایا ہوا اور فکر مند رابرٹ وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اب تک کی ساری کوششیں رائیگاں ہو گئیں۔ اسے دوبارہ وہ کام پھر اسی ترتیب سے انجام دینا ہوگا۔ بڑی کوشش کے بعد دوبارہ ان بھائیوں سے ملاقات ہو پائی۔ اور پھر ایک خاص روز طے پایا۔ ایک ہفتہ بعد۔

اس دوران انتظار رابرٹ کی شراب نوشی بڑھتی ہی گئی وہ اپنی محبوبہ کے چہرے کو لاشعور میں تلاش کرنے کی بہت کوشش کرتا لیکن اس کے تصور میں اور اس کی نگاہوں کے سامنے بھی رنج و تکلیف چیخ و پکار جنازے اور موت کے نظارے ناچتے رہتے۔ انہیں الجھنوں میں اس کی ملاقات تارو یا ڈاکٹر ریو سے ہو جاتی تو رابرٹ بڑی خود اعتمادی سے کہتا "ایسے کاموں میں دیر لگتی ہی ہے۔ بس ایک ہفتے کے اندر اندر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اور یہ کہتے کہتے اس کے لہجے میں ایک کھچاؤ سا آ جاتا گویا وہ ان کو نہیں اپنے آپ کو یقین دلانے اور سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

طے شدہ وقت پھر آ گیا لیکن معلوم ہوا کہ فرار ہونے کے لیے وہ رات خطرناک ہے۔ اس لیے ایک ہفتہ بعد پھر کوشش کیجائے گی۔ اور وہ ہفتہ بھی اسی طرح کی الجھنوں میں بسر ہوا۔ اور دن گذرنے کے ساتھ ہی ساتھ رابرٹ کی شراب نوشی بڑھتی گئی۔ آخر وہ دن بھی آ ہی گیا۔ وہ ایک روز قبل ہی ان دونوں نوجوانوں کے مکان میں جا کر ٹھہر گیا۔ جیسے جیسے اس کے جانے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا ویسے ویسے ہی اس کی بے بسی اپنی محبوبہ کا چہرہ یاد کرنے کے لیے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ شام کو ان دونوں میں سے ایک نے آ کر بتایا کہ رات کے گیارہ بجے مناسب وقت ہوگا۔

"تو اب میں جا ہی رہا ہوں۔" اس نے نہایت مسرت کے عالم میں یہ بات سوچنا شروع کی۔ لیکن اس چال سے اسے کسی خوشی کے جذبہ کا احساس نہ ہو سکا۔ کتنی بڑی انسانی بے بسی ہے اگر ہم خوشی کے حالات میں خوش ہونا چاہیں لیکن نہ ہو سکیں۔ پھر رابرٹ نے دوبارہ یہ بات نہیں سوچی۔ اس نے طے کیا کہ اس وقت جا کر اسے تارو اور ڈاکٹر ریو سے الوداع کہنی چاہیئے۔

رابرٹ اسپتال میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ تارو کام میں بے طرح مشغول ہے۔ نئے آنے والے مریضوں کے کارڈ بن رہے تھے اور اسی تیزی سے ان پر ان کی موت کا وقت اور تاریخ ڈالی جا رہی تھی۔ انسانی زندگی ..... صرف چند کارڈ ..... اور بس !!!

"دیکھ رہے ہو میرا کام تو حساب کتاب رکھنے والے منشی جیسا ہو رہا ہے۔ ارے ہاں! کہو تمہارے جانے کا کیا ہوا؟" تارو نے ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"آج رات کو جا رہا ہوں" رابرٹ کو یہ جواب دیتے وقت ایسا محسوس ہوا جیسے یہ بات اس نے نہیں کسی دوسرے نے کہی ہو۔ جانے سے قبل تم سے اور ڈاکٹر ریو سے ملنے آیا تھا ..... کہاں ہیں ڈاکٹر؟

"اندر — آپریشن روم میں۔ ان کا باہر آنا ناممکن ہے۔ لوگ اتنی بڑی تعداد میں اور اتنی تیزی سے آ رہے ہیں کہ بیمار سے ڈاکٹر کو دم لینے کی فرصت نہیں ہے۔" تارو نے کہا۔

"لیکن تارو میرا ان سے ملنا ضروری ہے۔" رابرٹ کی آواز سے بے قراری جھلک رہی تھی۔

"اندر جانا اول تو خطرناک ہے اور پھر منظر اتنا بھیانک ہے کہ شاید تم برداشت نہ کر سکو گے۔" تارو نے اسے بتایا۔

لیکن رابرٹ کا شدید اصرار تھا اس لیے وہ اسے اندر لے گیا۔ دونوں منہ پر کپڑا باندھ کر وارڈ کے اندر داخل ہوئے۔

رابرٹ نے دیکھا وارڈ کے اندر دم گھونٹ دینے والا دھند لکا ہے۔ ایک بدبودار بھاپ سی ہے۔ چار پائیوں پر پڑے مریض چلا رہے ہیں۔ درد سے چیخ رہے ہیں۔ پورا کمرہ دوزخ کا نمونہ معلوم ہو رہا ہے۔ اور ان سب کے درمیان صرف ڈاکٹر ریو منہ پر کپڑا لگائے علاج اور دیکھ بھال کرتے ہوئے ادھر ادھر گھوم رہے ہیں۔ سسکتی دم توڑتی زندگی کو بچانے میں مصروف ہیں۔ تباہی و بربادی کے اس ماحول میں تعمیر کی ایک کوشش۔ کافی دیر بعد ڈاکٹر ریو، تارو اور رابرٹ کی طرف متوجہ ہو سکے۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا رابرٹ" ریو نے کہا۔ منہ پر بندھے کپڑے کی اوپر جھانکتی آنکھوں میں تکان کا احساس تھا۔

"میں ..... میں یہ کہنے آیا ہوں کہ بیماروں کی نگہبانی اور تیمارداری کے اس گروہ میں بھی شامل ہونا چاہتا ہوں، رابرٹ ایک دم ہی یہ بات کہہ گیا۔

ریو اور تارو کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ریو نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا "جذبات کی رو میں بہہ کر کچھ بھی کرنا مناسب نہیں ہوتا رابرٹ، تمہارا اپنی محبوبہ سے ملنا ہی ٹھیک ہے۔ کسی خاص لمحہ میں آلام و مصائب، درد و تکلیف میں پرکشش اور اہم معلومات ہوتے ہیں۔ لیکن خوشی کی آرزو کرنے میں کوئی شرم کی بات نہیں۔

لیکن جس خوشی اور مسرت میں صرف خود غرضی شامل ہو وہ شرم کی بات ضرور ہے رابرٹ نے کہا۔ آج اس کی آواز میں ایک نیا عزم تھا۔ لہجہ میں ایک نیا یقین تھا جو صرف درد کی تلخی احساس سے ہی نکھرتا ہے۔ اور اس کے بعد کوئی بھی بحث، کچھ بھی مزید کہنا غیر ضروری تھا۔

رابرٹ تارو کی پارٹی میں شامل ہو کر کام کرنے لگا۔

پلیگ کی تباہی برابر بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ریو، تارو، گرینڈ اور رابرٹ کی معروفیات کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ مرنے والوں کی تعداد میں تو اضافہ ہو رہا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ پلیگ نے اور بھی تباہ کن اور بھیانک شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بھی انسانی کوشش اس عذاب خداوندی کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔ لیکن انسان کے اندر کتنا ایسا گہرا یقین ہے۔ نجانے کونسی ایسی طاقت ہے جس کے بل بوتہ پر وہ اس آفت سے لگاتار جدوجہد کر رہا تھا۔ ناکامی کے تھپیڑوں سے اس کے قدم لڑکھڑاتے تھے لیکن اس کی کوشش میں کوئی کمی نہ تھی۔ اور

پلیگ کے خلاف جنگ کرنیوالوں میں ضرور تو ایسی سچائی، کوئی ایسی خود اعتمادی تھی کہ قدرتی کام میں کوئی خاص مصلحت کے اصول پر یقین کرنے والے فادر پینی لو بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے۔ حالانکہ ان کا خیال غالباً اب بھی یہی تھا کہ پلیگ خدا کا عذاب ہے جس کے ذریعہ وہ گناہگاروں کا، نافرمانی اور ظلم کرنے والوں کا ستیاناس کر رہا ہے۔

اسی عرصہ میں ڈاکٹر کیٹیل کی پلیگ کے خلاف بنائی گئی نئی دوا "سیرم" پہلی بار آزمائی گئی اور جس پر تجربہ کیا گیا وہ تھا پولیس مجسٹریٹ کوسیو ادھون کا چھوٹا سا لڑکا، جس کو یکایک پلیگ نے آدبوچا تھا۔ بچے کو فوراً ہی شفاخانے بھیج دیا گیا۔ اور کوسیو ادھون اور ہادام ادھون کو اس کیمپ میں، جو شہر سے باہر ان لوگوں کو علیحدہ رکھنے کے لیے بنایا گیا تھا جن کے خاندان میں کسی کو پلیگ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر ریو نے کوسیو ادھون کو مکمل یقین دلایا تھا کہ وہ بچے کا بہتر ممکن خیال رکھیں گے۔ بچے کے شفاخانے جاتے وقت ادھون نے شاید پہلی بار اپنے اندرونی جذبات کو باہر آنے کی اجازت دی۔ میرے بچے کی جان بچانے کی کوشش کرنا، ریو۔"

اور ریو نے ہر امکانی کوشش کی لیکن پلیگ کے خطرناک اور ہیبت ناک تلاطم کے سامنے کچھ کام نہ آیا اور پہلی مرتبہ ریو کو اپنی ساری کوششوں کی ناکامی کا سخت تلخ احساس ہوا۔ بچے کی حالت تیزی سے خراب ہوتی جا رہی تھی اور یہ بات ریو کے لیے بالکل ظاہر تھی کہ اب اس کے بچنے کی بالکل امید نہیں ہے۔ اس حالت میں انہوں نے اس پر ڈاکٹر کیٹیل کی نئی سیرم کا استعمال کرنا طے کیا۔ یہ ایک اہم فیصلہ تھا۔ کیونکہ سیرم کامیابی یا ناکامی پر پورے شہر کی امید یا ناامیدی کا انحصار تھا۔ بچے کو انجکشن دیا گیا۔ ریو، تارو، گرینڈ، ڈاکٹین اور فادر پینی لو سب انتظار میں بیٹھ گئے کہ شاید اس نئے علاج کا بچے پر اچھا اثر پڑے اور وہ ٹھیک ہو جائے۔

دن اور رات ..... رات اور دن حیات و موت کے درمیان سخت کشمکش جاری رہی۔ چھ آدمی بیٹھے ہوئے اس بچے کی تکلیف دیکھتے رہے اور ..... صرف دیکھتے ہی رہے ..... لیکن انسان کو اپنی عاجزی کا احساس شاید ہی کبھی ہوتا ہو ..... مگر سب کچھ بے کار ہے۔ ناکامی کا دیو منہ پھیلائے کھڑا تھا۔ دوا ناکام ہو رہی تھی۔ تارو سے بچے کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی۔ اور اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ رابرٹ کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا دل موس کر رکھ دیا ہو۔ فادر پینی لو نے دعا کی "خدایا اس بچے کی جان بچا لے"، خاموش طبیعت گرینڈ کی خاموشی اور شدید ہو گئی۔ ڈاکٹر کیٹیل کے دل کو بچے کی تکلیف کا احساس نامرادی کے اندھیروں میں ڈھکیل رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنی بنائی ہوئی سیرم کا اثر بھی دیکھ رہے تھے ڈاکٹر ریو کا نظریہ وہی تھا جو ڈاکٹروں کا ہونا چاہیئے لیکن ساتھ ہی شدید ناکامی اور غصہ کا تلخ اور گہرا احساس بھی تھا۔ بچے کی ناقابل برداشت تکلیف دیکھ کر ان کی روح کرب سے بے چین ہوئی جاتی تھی۔

بچے کا موت کا آخری وقت تک جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار شکست کھا ہی گیا اور اس کا دبلا پتلا جسم آخری تکلیف کلبلاہٹ سے بے چین ہو کر بے دم ہو گیا۔ ڈاکٹر ریو نے نہایت غصہ کے عالم میں فادر پینی لو سے چلا کر کہا "آپ کہتے تھے کہ پلیگ عذاب خداوندی ہے گناہگاروں اور ظالموں کو سزا دینے کے لیے۔ لیکن اس بچے کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ یہ بچہ بے گناہ تھا۔ بالکل معصوم۔"

فادر پینی لو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اس واقعے کے بعد جیسے ان کے زندگی بھر کے پختہ عقائد میں دراڑ سی پڑ گئی۔ حالانکہ ان کا دل اس بات کا مخالف تھا لیکن دماغ کے سکون میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ ذہن کی پرسکون سطح متلاطم ہو چکی تھی اس وجہ سے ان کا برتاؤ بھی کچھ عجیب قسم کا ہو گیا۔ کچھ روز بعد وہ بھی بیمار پڑے لیکن انہیں اپنے اس فیصلے پر کہ وہ اپنے آپ کو کسی ڈاکٹر سے رجوع نہیں کریں گے۔ ایک اطمینان سا ہوا۔ پرسکون طور پر اپنے آخری وقت کی جسمانی تکلیف برداشت کرنے کے بعد فادر پینی لو کا بھی انتقال ہو گیا۔ وہ اپنے عقیدے پر شہید ہو گئے۔ لیکن شاید اس شہادت سے بھی ان کا اپنا سوال حل نہ ہوا تھا۔ اور آخری وقت ان کو اپنے پختہ عقائد کا سہارا ملا یا نہیں یہ بھی ٹھیک سے نہیں کہا جا سکتا۔

فادر پینی لو کا انتقال موسم سرما کے آغاز میں ہوا تھا۔ جاڑے کا موسم آنے پر لوگوں کو یہ امید تھی کہ پلیگ ختم ہو جائے گا لیکن اس امید

کے پورے ہونے کا اب بھی کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ مرنے والوں کی تعداد اب تک بہت بڑھ چکی تھی۔ اور لوگ اب بھی برابر پلیگ کا شکار ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر کمٹیل کی سیرم استعمال میں لائی جا رہی تھی۔ کیونکہ اونٹھون کے لڑکے کی بیماری میں یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس دوا کی وجہ سے مریض موت سے دیر تک جد و جہد کر سکتا ہے۔ لیکن کسی کی جان بچانے میں یہ دوا بھی ناکام ثابت ہوئی تھی۔

مسلسل ناکامی اور شکست کے سبب ریو کو شدید تکان کا احساس ہونے لگا تھا۔ کبھی کبھی بیوی کی حالت کے بارے میں تارو آتا جس میں ہمیشہ یہی ایک جملہ لکھا ہوتا "اب طبیعت پہلے سے اچھی ہے" لیکن ریو کو معلوم تھا کہ یہ جملہ بے معنی ہے اور صرف اسے تسلی دینے کے لیے لکھا گیا ہے، لیکن کام اب بھی اتنا زیادہ تھا کہ ریو کو اپنے نجی معاملات میں مصروف ہونے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ تارو بہت تھک چکا تھا۔ ذہنی اور جسمانی اور دونوں اعتبار سے۔ لیکن صرف اس کے علاوہ کہ اس کی ڈائری میں اس کا رسم الخط برا ہو گیا۔ اس تکان کا اظہار اور کچھ (کہیں) نہیں تھا۔

لیکن گرینڈ کا برتاؤ ایک دم بہت عجیب سا ہو گیا۔ کئی روز تک وہ نہ گھر پر ٹھیک طریقے سے رہا اور نہ دفتر میں گیا۔ تمام تمام دن وہ شہر کی سنسان سڑکوں پر بھٹکتا پھرتا، اکیلا اور بالکل اکیلا.....! ایک دن ریو اور تارو فکرمندی کے عالم میں اسے ڈھونڈنے نکلے۔ کافی دیر بعد گرینڈ کا مکان سے چور، بوڑھا اور لاغر جسم دکھائی دیا۔ لیکن ڈاکٹر ریو کے آتے ہی وہ ایک جانب کو بھاگ نکلا۔ اس واقعہ کے دو روز بعد معلوم ہوا کہ گرینڈ بیمار پڑ گیا ہے۔ ریو اور تارو نے علاج اور تیمارداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن گرینڈ کا تھکا ماندہ کمزور جسم موت سے کتنی جد و جہد کر سکتا تھا.....؟؟ حالت بگڑتی ہی گئی۔ ڈاکٹر ریو نے آخری کوشش ڈاکٹر کمٹل کی سیرم استعمال کرکے بھی کی۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ شکست اور ناکامی کے علاوہ قسمت میں کچھ اور نہیں ہے۔ اسی شب گرینڈ کی حالت کافی خراب ہو گئی۔ خاتمہ قریب دکھائی دینے لگا۔ کمرے میں موت کے خوف سے خاموشی طاری ہو گئی۔ گرینڈ نے نحیف آواز میں کہا "اس الماری سے میرا ناول نکال لیجیے۔ ریو نے ویسا ہی کیا۔ تقریباً پچاس صفحات موں گے جن میں صرف ایک ہی جملے کو بار بار اچھا سے اچھا بنا کر لکھا گیا تھا، کیونکہ گرینڈ کو یہ یقین تھا کہ ناول مکمل کرنے کے بعد وہ ادب کی دنیا میں تہلکہ مچا دے گا۔ اس جملے کے علاوہ ایک جملہ اور بھی تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جملہ ابھی پچھلے چند دنوں میں ہی لکھا گیا ہے۔ "میری پیاری جین تمہاری یاد بہت آتی ہے۔"

گرینڈ نے کہا کہ سب کاغذ کو کمرے میں جلتی آگ میں ڈال دیا جائے۔ ریو کچھ جھجکا لیکن گرینڈ نے بڑی بے قراری سے اصرار کیا۔ اور ریو نے گرینڈ کی خواہش پوری کر دی۔ گرینڈ دیوار کی جانب منہ کر کے لیٹ گیا۔ کاغذوں کے جلنے سے کمرے میں اچانک ایک وحشت ناک تیز روشنی لال پھیل گئی۔

تارو کو مریض کی نگہداشت کرنے کے لیے چھوڑ کر ریو اپنے گھر چلے گئے۔ رات بھر وہ یہی سوچتے رہے کہ موت کی طاقت کے سامنے زندگی کتنی بے معنی ہے۔ صبح جب وہ گرینڈ کے مکان پر پہنچے تو دیکھا اس کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی جیسے کسی نے جادو کے اثر سے بیماری ختم کر دی ہو۔ اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد گرینڈ رفتہ رفتہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اسی دوران ریو کی ایک اور مریض — ایک چھوٹی سی بچی بھی اچانک ٹھیک ہو گئی صحت مند ہونے کے یہ معجزاتی نشان دیکھ کر تارو نے کہا کہ جس طرح یہ تباہی دفعتاً آئی تھی اسی طرح ختم بھی ہو جائے گی۔ موت کے خوفناک سایے تیزی سے شہر کے اوپر سے ہٹنے لگے اور مرنے والوں کی تعداد نہیں کے برابر رہ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ وبا اب ختم ہونے ہی والی ہے۔ لیکن اس بات سے لوگوں کو وہ خوشی نہیں ہوئی جو اس موقع پر قدرتی طور پر ہونا چاہیئے تھی، وہ اب تک بہت کچھ سیکھ چکے تھے۔ خوشی کے عارضی پن اور موت کی طاقت کا اندازہ اب لوگوں کو ہو چکا تھا۔ اس لیے ابھی وہ اپنی فطری خوشی اور جوش پر پابندی لگائے ہوئے تھے۔

لوگوں کو اس بات پر بھی بڑی حیرانی ہو رہی تھی کہ سڑکوں پر اب پھر مرے چوہے دکھائی دینے لگے تھے۔ وبا اور تباہی کے پورے عرصے میں کہیں پر ایک بھی چوہے کا نام و نشان تک نہیں ملتا تھا۔

لیکن پلیگ نے جاتے جاتے ایک آخری حملہ کیا۔ اس کا شکار ہی تھا..... تارو..... یکایک اس کی طبیعت خراب ہوئی۔ ڈاکٹر ریو اور ان کی ماں نے بڑی تندہی سے تارو کی دیکھ بھال کی اور تیمارداری کی، لیکن حالت خراب ہی ہوتی چلی گئی۔ تارو نے بڑی مردانگی اور جرأت کے ساتھ موت کا سامنا کیا۔ لیکن نہ اس کی جرأت و ہمت، نہ ریو کی دوستی، دوا اور علاج اس کی زندگی بچا سکے۔ تارو مر گیا۔

تارو کو اپنے اس خاتمہ سے بھی سکون نصیب ہوا یا نہیں یہ تو ڈاکٹر ریو نہیں کہہ سکتے تھے لیکن وہ یہ بات ضرور جانتے تھے کہ اب کے لیے کوئی اطمینان اور سکون ممکن نہیں تھا۔ اسی طرح جیسے جنگ کے بعد کا امن اس ماں کے لیے بے معنی ہو جاتا ہے جس کا بیٹا جنگ میں کام آچکا ہو۔ یا اس شخص کی طرح جس نے ابھی ابھی اپنے کسی نہایت عزیز دوست کو دفن کیا ہو۔ زندگی میں اب کوئی رنگینی اور سنسنی باقی رہ گئی تھی۔ کیا رہ گیا تھا یادوں کے علاوہ..... پلیگ کی تباہی اور اس کی یاد، کسی کے قریب ترین ہو جانا اور اس کی گذشتہ یاد، خوشی حاصل ہوتے ہوتے ہی اس کا ختم ہو جانا اور اس کے ختم ہو جانے کی یادیں۔ اس سے زیادہ اور..... کچھ نہیں..... !! زندگی عذاب یاد ماضی کے علاوہ اور کچھ بھی ہے.....؟؟؟

انہیں خیالات سے ریو کو جو طاقت ملی۔ اس کے بل بوتہ پر شاید وہ اپنی بیوی کے موت کے صدمے کو بھی برداشت کر گئے۔ جس کی خبر انہیں تارو کی موت کے کچھ ہی دیر بعد ملی تھی۔

اور اس طرح پلیگ کی خوفناک تباہی کا خاتمہ ہوا۔ فروری کی ایک چمک دار صبح کو شہر کے پھاٹک دوبارہ کھولے جانے کا جشن بڑے جوش و خروش سے منایا گیا۔ توپیں اور آتشبازیاں چھوڑی گئیں۔ شراب کی ندیاں بہا دی گئیں۔ رنگ برنگی جھنڈیاں لگائی گئیں۔ سنسان اسٹیشن پر دوبارہ رونقیں آئیں۔ بندرگاہوں پر پھر سے جہازوں کی آمد شروع ہوئی۔ زندگی کے پرمسرت رقص کا پھر سے نئے جوش و ولولہ سے آغاز کیا گیا۔ جیسے حیات نے موت کو آخرکار شکست دے دی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی ایک مستقل شے ہے اور موت دشمن اور عارضی

پرانے دوست، قدیمی عزیز، دل گرفتہ محبوب مجسم عشوہ و انداز مجبوبائیں شدید فراق کے بعد پھر سے ملے اور جوش سے پاگل ہو کر اس بات کو ثابت کرنے میں مصروف ہو گئے کہ زندگی نے موت پر فتح حاصل کر لی ہے۔

لیکن جب رامبرٹ نے فرانس سے آئی ہوئی اپنی محبوبہ کو بانہوں میں لیا تو اسے ایک دم ایسا محسوس ہوا جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں۔ اور اس احساس کے بعد کوئی بھی بات کوئی بھی تعلق کارآمد نہیں رہ جاتا۔ اور اسی احساس کو مکمل طور پر مٹانے کے لیے نئے سرے سے سعی کرنا ہوگی۔ جس کے لیے وقت درکار ہے۔

اپنی کھڑکی میں کھڑے ڈاکٹر ریو اس جوش و خروش کو، اس جشن کو دیکھ کر سوچنے لگے کہ اس طرح کی خوشی اور مسرت جو وہ اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ ہمیشہ تباہی کے زیر سایہ ہی (ماتحت ہی) رہتی ہے اور رہے گی۔ پلیگ کا حد درجہ تباہ کن جراثیم کبھی مرتا نہیں ہے۔ اور نہ ہمیشہ کے لیے غائب ہی ہوتا ہے۔ یہ برسوں پڑا رہ سکتا ہے، زندگی کی مختلف اشیا میں دبکا ہوا، اور نوع انسانی کو پھر سے سبق سکھانے کے لیے، اسے دوبارہ سچائی کی راہ دکھانے کے لیے، وہ کسی ہولناک شکل میں پھر ابھر سکتا ہے۔ اور اپنی پیروی کرنے والوں کو اپنے نمائندوں کو ایک مسرت سے بھرپور جگہ پر بھیج سکتا ہے۔ تاکہ سزا کے بعد وہ سچائی کو جان سکیں، پہچان سکیں۔

امتیاز علی عرشی

تیرے دیوانے بھی کیا کام یہاں کرتے رہے
اپنے ویرانے کو ہمدوش جہاں کرتے رہے

خوئے تسلیم و رضا آج بہت کام آئی
اس جفا جو کے ہر الزام پہ ہاں کرتے رہے

جسقدر بڑھتے رہے راہ وفا میں ہم لوگ
ثبت ہر گام پہ اک اپنا نشاں کرتے رہے

جس کو ہم راز سمجھتے رہے نادانی سے
اپنے چہرے سے اُسے خود ہی عیاں کرتے رہے

جانتے تھے کہ نہیں عقل کو کچھ ہوش مگر
عمر بھر راہنما اپنا گماں کرتے رہے

تنگیٔ دل نے گرائے جو گہر آنکھوں سے
جیب و دامن میں ہم ان سب کو نہاں کرتے رہے

لاکھ احباب نے روکا ہمیں عرشی لیکن
جادۂ عشق کو ہم کاہکشاں کرتے رہے

شہریار

لاکھ خورشید سر بام اگر ہیں تو رہیں
ہم کوئی موم نہیں ہیں کہ پگھل جائیں گے

ہر گلی کوچے میں رسوا ہوئے جنکی خاطر
کیا خبر تھی کہ وہی لوگ بدل جائیں گے

ان کے پیچھے نہ چلو ان کی تمنا نہ کرو
سائے پھر سائے ہیں کچھ دیر میں ڈھل جائیں گے

قافلے نیند دل کے آئے ہیں انہیں ٹھہرا لو
ورنہ یہ دور بہت دور نکل جائیں گے

جاوید کمال رامپوری

مطرب خوش نوا کی یاد آئی
نغمۂ جانفزا کی یاد آئی

پھر وہ وقت وصال یاد آیا
پھر اُسی دل ربا کی یاد آئی

پھر اُسی بزم کا خیال آیا
پھر دل نارسا کی یاد آئی

پھر اُسی رہ گزر کے ہو بیٹھے
پھر اُسی نقش پا کی یاد آئی

پھر کوئی زخم دل مہک اٹھے
پھر کسی بے وفا کی یاد آئی

آج اک حادثہ ہوا یعنی
دل کو اک آشنا کی یاد آئی

بشیر بدر

"مجبور۔ جفا کار۔ کو پہچان نہ پایا
دل۔ حسن کے ایثار کو پہچان نہ پایا

آئینے نے آئینے میں سو بال نکالے
فن کار بھی۔ فن کار کو پہچان نہ پایا

ہاں غور سے پھر دیکھ خداوند محبت
تو اپنے گنہگار کو پہچان نہ پایا

میں اپنی تمناؤں کا وہ خالق معصوم
جو اپنے ہی شہکار کو پہچان نہ پایا

سمجھا کہ خدا نے بھی کوئی شعر کہا ہے
واللہ میں سرکار کو پہچان نہ پایا

محراب حرم جیسی مجھے چاہیے سرائے
میں ابروئے خمدار کو پہچان نہ پایا

مطبوعات موصولہ

(تبصرہ کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

سیارہ لاہور

چند ماہ سے نعیم صدیقی نے ایک ماہنامہ کا اجرا کیا ہے۔ جس کا نام سیارہ ہے۔ سیارہ صالح ادبی اقدار کا نمائندہ ہے۔ اس رسالے نے اپنے مندرجات سے اور ترتیب و تہذیب میں حسن کی بنیادوں پر خاصی مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ یہ رسالہ عام دلچسپی کا بڑا متنوع مواد پیش کر رہا ہے اور پوری سلیقہ مندی کے ساتھ۔ پڑھنے والوں میں جو پذیرائی اس رسالے کی ہوئی ہے اس سے حوصلہ پاکر اس کے منتظمین نے ڈائجسٹ ایڈیشن بھی نکالنا شروع کیا ہے۔ سیارہ ڈائجسٹ میں کاغذ کا معیار اور بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اندرونی صفحات کو مصور بھی ہونا چاہیئے۔ اگرچہ اب بھی کہیں کہیں تصاویر دی گئی ہیں۔ مگر ان کے خطوط میں کوئی کشش نہیں اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کسی اچھے آرٹسٹ مثلاً رینری یا زیدی کی خدمات حاصل نہ کی جائیں گی۔

دونوں ایڈیشنوں کا مجموعی سالانہ چندہ ۱۸ روپے ہے جو اس کی خوبیوں کے پیش نظر قابل قبول ہے۔ خریداری کیلئے اس پتہ پر لکھیے منیجر سیارہ ۲ چوک لاہور

اردو کے کلاسیکی شعرا

مرتبہ ایم حبیب خاں۔ میر سے اقبال تک اردو کے اساتذہ شعرا پر تنقیدی مضامین کا ایک انتخاب ہے۔ جس کے پہلے اور دوسرے حصے شائع ہو چکے ہیں۔ اس انتخاب سے کلاسیکی شعرا کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ یہ مضامین مختلف مشہور و معروف نقادوں نے لکھے ہیں۔ اور پہلے مختلف رسائل و کتب میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ادیب ماہر اور ادیب کامل قسم کے طلبا کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے کہ ان کی درسی ضروریات کو بہت کچھ پورا کرتی ہے۔ نئی نسل کے ذوق کی تعمیر کے لیے کلاسیکی ادب کا زیادہ سے زیادہ تعارف بنیادی کام ہے۔ ایم حبیب خاں نے یہ سلسلہ مرتب کر کے ایک مفید قدم اٹھایا ہے۔ کتاب کی قیمت سوا تین روپے اور ملنے کا پتہ انوار بک ڈپو شمشاد بلڈنگ علی گڑھ۔

دیوان حافظ مترجم و محشیٰ

نئی صدی میں ہندوستان جس تیزی سے فارسی سے بیگانہ ہوا ہے وہ حیرت انگیز تو نہیں لیکن افسوس ناک ضرور ہے۔ فارسی زبان و ادب کے توسط سے ماضی میں ہندوستان نے زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے کا بہت کچھ سلیقہ پایا ہے۔ اخلاق و سیاست کے بارے میں جو زندگی کے دو اہم پہلو ہیں فارسی کے ادیب اور شعرا جن اسرار و رموز سے آشنا کرتے ہیں وہ آلام و مصائب اور پریشانی افکار میں ہمیشہ تسکین اور طمانیت کے پیغام لائے ہیں۔

ان افکار و خیالات کے مبلغین کے کلام و پیام کو زیادہ سے زیادہ سلیقہ مندی کے ساتھ پیش کرنا زندگی سنوارنے کے مترادف ہوگا۔

خوشی کی بات ہے کہ جناب مولانا حاجی سید سجاد حسین صاحب نے جو مدرسہ فتحپوری دہلی کے صدر مدرس ہیں اور فارسی و عربی ادب کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ اپنی توجہ فارسی کے عظیم ادب کے اردو تراجم مع اصل فارسی پیش کرنا شروع کیے ہیں۔ گلستاں اور بوستان سعدی کے بعد انہوں نے حال ہی میں دیوان حافظ شائع کیا ہے۔ ترجمہ سادہ سلیس اور پرکشش ہے۔ کتاب کی جلد بہت خوبصورت ہے۔ لیکن اچھے کاغذ اور اچھی طباعت کے باوجود حواشی اور بین السطور ترجمہ بالکل اسی ڈھنگ سے کتابت کرایا گیا ہے۔ جو پرانی فارسی کتابوں کا جانا پہچانا طریقہ ہے۔ ہم فاضل مترجم سے درخواست کرتے ہیں کہ آئندہ ایڈیشن میں جو یقیناً جلد شائع ہوگا اس کے حسن کتابت کی طرف خصوصی توجہ صرف کی جائے۔ یہ کتاب غیر مجلد ۸ روپے میں اور مجلد ۱۰ روپے میں سب رنگ کتاب گھر گلی قاسم جان دہلی سے مل سکتی ہے۔